الحمد للہ والمنت کہ رسالہ طیبہ مبارکہ

التماس

Khuda Bakhsh Library
Acc. No 22450
8.11.8

شہادۃ القرآن علی نزول المسیح الموعود فی آخر الزمان

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام

حکیم فضل دین صاحب چھپکر شایع ہوا

تعداد ...... ۴۰۰ بار دوم قیمت ۴ر علاوہ محصولڈاک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مسیح موعود

ایک صاحب عطا محمد نام اپنے خط مطبوعہ اگست ۱۸۹۳ء میں مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب و لازم ہے۔

اس جگہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صاحب معترض کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہو گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں بتصریح موجود ہے لیکن وہ اس بات سے منکر ہیں کہ عیسیٰ کے نام پر کوئی اس امت میں آنیوالا ہے وہ مانتے ہیں کہ احادیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہے مفید یقین نہیں ہیں اس لئے وہ مسیح موعود کی خبر کو جو احادیث کے رو سے ثابت ہے۔ حقیقت مثبتہ خیال نہیں کرتے اور ایسے اخبار کو جو محض حدیث کی رو سے بیان کئے جائیں ہیچ اور لغو خیال کرتے ہیں جنکا انکی نظر میں کوئی بھی قابل قدر ثبوت نہیں اس لئے اس مقام میں انکی مذاق پر جواب دینا ضروری ہے سو واضح ہو کہ اس مسئلہ میں دراصل تنقیح طلب تین امر ہیں۔

اول یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبۂ یقین سے دور و مہجور ہے۔

دوسرے یہ کہ کیا قرآن کریم میں اس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس بات کا کیا ثبوت کہ اسکا مصداق

بھی عاجز ہے

سو اول ہم ان ہر سہ تنقیحوں میں سے پہلی تنقیح کو بیان کرتے ہیں سو واضح ہو کہ اس امر سے دنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں کہ احادیث میں **مسیح موعود** کی کھلی کھلی پیشگوئی موجود ہے بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رو سے ضرور ایک شخص آنیوالا ہے جس کا نام عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ایک مسیح موعود آنے والا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اکثر ہر یک حدیث اپنی ذات میں مرتبہ آحاد سے زیادہ نہیں مگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس قدر طرق متفرقہ کی رو سے احادیث نبویہ اس بارے میں مدون ہو چکی ہیں ان سب کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے بلاشبہ اس قدر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور پھر جب ہم ان احادیث کے ساتھ جو اہلسنت وجماعت کے ہاتھ میں ہیں ان احادیث کو بھی ملاتے ہیں جو دوسرے فرقے اسلام کے مثلاً شیعہ وغیرہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں تو اور بھی اس تواتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے اور پھر اس کے ساتھ جب صدہا کتابیں متصوفین کی دیکھی جاتی ہیں تو وہ بھی اسی کی شہادت دے رہی ہیں۔ پھر بعد اس کے جب ہم بیرونی طور پر اہل کتاب یعنے نصاریٰ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو یہ خبر ان سے بھی ملتی ہے اور ساتھ ہی حضرت مسیح کے اس فیصلہ سے جو ایلیا کے آسمان سے نازل ہونے کے بارہ میں ہے یہ بھی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی خبریں کبھی حقیقت پر محمول نہیں ہوتیں لیکن یہ خبر **مسیح موعود** کے آنے کی اس قدر زور کے ساتھ ہر ایک زمانہ میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اس کے تواتر سے انکار کیا جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی وہ کتابیں جنکی رو سے یہ خبر سلسلہ وار شایع ہوتی چلی آئی ہے صدی وار مرتب کرکے اکٹھی کیجائیں تو ایسی کتابیں ہزارہا سے کچھ کم نہیں ہونگی۔ ہاں یہ بات اس شخص کو سمجھانا مشکل ہے کہ جو اسلامی کتابوں سے بالکل بے خبر ہے اور درحقیقت ایسے اعتراض کرنے والے اپنی بدقسمتی کی وجہ سے کچھ ایسے بیخبر ہوتے ہیں کہ انہیں یہ بصیرت حاصل ہی نہیں ہوتی کہ فلاں واقعہ کس قدر قوت اور مضبوطی کیساتھ

اپنا ثبوت رکھتا ہے پس ایسا ہی صاحب معترض نے کسی سے سُن لیا ہے کہ احادیث اکثر احاد کے مرتبہ پر ہیں اور اُس سے بلا توقف یہ نتیجہ پیدا کیا کہ بجز قرآن کریم کے اور جسقدر مسلمات اسلام ہیں وہ سب کے سب بے بنیاد شکوک ہیں جنکو یقین اور قطعیت میں سے کچھ حصہ نہیں لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا بھاری دہوکہ ہے جس کا پہلا اثر دین اور ایمان کا تباہ ہونا ہے کیونکہ اگر یہی بات سچ ہو کہ اہل اسلام کے پاس بجز قرآن کریم کے جسقدر اور منقولات ہیں وہ تمام ذخیرہ کذب اور جہوٹ اور افترا اور ظنون اور اوہام کا ہے تو پھر شاید اسلام میں سے کچھ تہوڑا ہی حصہ باقی رہجائے گا وجہ یہ کہ ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملی ہیں مثلاً یہ نماز جو پنج وقت ہم پڑہتے ہیں گو قرآن مجید سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں اور پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سنت اور مغرب کی تین رکعت فرض اور پھر عشاء کی چار ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنے کے لیے ہم بالکل احادیث کے محتاج ہیں اسیطرح ہزارہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں اور ایسے مشہور ہیں کہ ان کا لکھنا صرف وقت ضایع کرنا اور بات کو طول دینا ہے علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبدء اور منبع بھی احادیث ہی ہیں اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اسبات کو بھی یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ درحقیقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جنکو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہوگا کہ تمام نام فرضی ہی ہوں اور دراصل نہ کوئی ابوبکر گذرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی کیونکہ بقول میاں عطا محمد معترض یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں پھر موجب اس اصول کے کیونکر تسلیم کیجائیں ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہونا اور پھر آنحضرت

صلعم کی بیویوں میں سے ایک کا خدیجہ ایک کا نام عائشہ اور ایک نام حفصہ رضی اللہ
ہونا اور دایہ کا نام حلیمہ ہونا اور غار حرا میں جاکر آنحضرت کا عبادت کرنا اور بعض صحابہ کا حبشہ کیطرف
ہجرت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام لڑائیاں
ہونا جنکا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتی ہیں تو کیا ان تمام
واقعات سے اس بنا پر انکار کر دیا جاوے کہ احادیث کچھ چیز نہیں اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کے
لئے ممکن نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کر سکیں۔ دیکھنا چاہئے
کہ ہمارے مولیٰ و آقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعثت مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوت
نبوت کی اور کس ترتیب سے لوگ داخل اسلام ہوئے اور کفار نے مکہ کے دس سال میں کس کس قسم کی تکلیفیں
پہنچائیں اور پھر کیونکر اور کس وجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کسقدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بنفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجناب کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومت اسلام پھیل چکی تھی
اور شاہان وقت کیطرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے خط لکھے تھے یا نہیں اور اگر لکھے تھے
تو انکا کیا نتیجہ ہوا تھا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کیوقت کیا کیا فتوحات
اسلام ہوئیں اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور حضرت فاروق کے زمانہ میں کن کن ممالک تک فتوحات
اسلام ہوئیں یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوال صحابہ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں پھر اگر احادیث
کچھ بھی چیز نہیں تو پھر اس زمانہ کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات میں سے ہوگا اور اس
صورت میں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت مخالفین کو ہر یک افترا
کی گنجائش ہوگی اور ہم دشمنوں کو بیجا حملہ کرنے کا بہت سا موقعہ دینگے اور ہمیں ماننا پڑیگا کہ جو کچھ ان احادیث
کے ذریعہ سے واقعات اور سوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں یہانتک کہ صحابہ کے
نام بھی یقینی طور پر ثابت نہیں غرض ایسا خیال کرنا کہ احادیث کے ذریعہ سے کوئی یقینی اور قطعی صداقت
ہمیں مل ہی نہیں سکتی گویا اسلام کا بہت سا حصہ اپنے ہاتھ سے نابود کرنا ہے بلکہ اصل اور صحیح امر یہ ہے
کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ سے بیان ہوا ہے جبتک صحیح اور صاف لفظوں میں قرآن اس کا معارض نہ ہو

تب تک اسکو قبول کرنا لازم ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ طبعی امر انسان کیلئے راست گوئی ہے اور انسان جھوٹ
کو محض کسی مجبوری کیوجہ سے اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اس کیلئے ایک غیر طبعی امر ہے پھر ایسی احادیث جو تعامل اعتقادی
یا عملی میں آگئی ہیں اور اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار ٹھہر گئی تھیں انکی قطعیت اور تواتر کی نسبت کلام
کرنا تو در حقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ بحث کرے کہ پنج نمازیں
جو مسلمان پنجوقت ادا کرتے ہیں انکے رکعات کی تعداد ایک شکی امر ہے کیونکہ مثلاً قرآن کریم کی کسی آیت
میں یہ مذکور نہیں کہ تم صبح کی دو رکعت پڑھا کرو اور پھر جمعہ کی دو اور عیدین کی بھی دو دو۔ رہی احادیث تو وہ
اکثر احاد ہیں جو مفید یقین نہیں تو کیا ایسی بحث کرنے والا حق پر ہوگا اگر احادیث کی نسبت ایسی ہی رائیں
قبول کیجائیں تو سب سے پہلے نماز ہی ہاتھ سے جاتی ہے کیونکہ قرآن نے تو نماز پڑھنے کا کوئی نقشہ کھینچ کر
نہیں دکھلایا صرف یہ نمازیں احادیث کی صحت کے بھروسہ پر پڑھی جاتی ہیں اب اگر مخالف بھی اعتراض
کرے کہ قرآن نے نماز کا طریق نہیں سکھلایا اور جس طریق کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ مردود ہے کیونکہ
احادیث قابل اعتبار نہیں تو ہم ایسے اصول پر آپ ہی پابند ہونے سے کہ بیشک احادیث کچھ بھی چیز
نہیں اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں بجز اسکے کہ اسکے اعتراض کو قبول کرلیں بلکہ اس صورت میں اسلام کی نماز
جنازہ بھی بالکل بیہودہ ہوگی کیونکہ قرآن میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ کوئی ایسی نماز بھی ہے کہ جس میں سجدہ اور
رکوع نہیں۔ اب سوچکر دیکھو کہ احادیث کے چھوڑنے سے اسلام کا کیا باقی رہجاتا ہے۔

اور خود یہ بات قلت تدبر کا نتیجہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جاوے کہ احادیث کا ماحصل صرف اسقدر ہے
کہ محض ایک یا دو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کے اس کی روایت کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کر
لیا جائے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے ایک سلسلہ کی ایک فرع اور اطراد بعد الوقوع
کے طور پر ہے مثلاً محدثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں اور فجر کی دو اور معہذا
ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں گو بالجہر یا بالسر اور قعدہ اخیر میں التحیات پڑھتے
ہیں اور ساتھ اسکے درود اور کئی دعائیں ملاتے ہیں اور دونو طرف سلام دیکر نماز سے باہر ہوتے ہیں متواتر
طرز عبادت کو دیکھکر محدثین کو یہ ذوق اور شوق پیدا ہوا کہ تحقیق کے طور پر اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم تک پہنچا دیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے اس کو ثابت کریں - اب اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے ایسے سلسلہ کے بہم رسانی کیلئے یہ کوشش نہیں کی کہ ایک ایک حدیث کے مضمون کیلئے ہزار ہزار یا دو دو ہزار طرق اسناد بہم پہنچا دیں مگر کیا یہ بھی سچ ہے کہ اس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدث تھے اور پہلے اس سے دنیا میں نماز نہیں ہوتی تھی اور دنیا نماز سے بالکل بیخبر تھی اور کئی صدیوں کے بعد صرف ایک دو حدیثوں پر اعتبار کر کے یہ نماز شروع کی گئی پس میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکہ ہوگا اگر یہ خیال کر لیا جائیگا کہ صرف مدار ثبوت ان رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا ان چند حدیثوں پر تھا جو بہ نظر ظاہر احاد سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں اگر یہی سچ ہے تو سب سے پہلے فرائض اسلام کیلئے ایک سخت اور لاعلاج ماتم درپیش ہے جس کی فکر ایک مسلمان کہلانیوالے ذی غیرت کو سب سے مقدم ہے مگر یاد رہے کہ ایسا خیال فقط ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور واقعات اور رسوم اور عبادات اسلام کی طرف نظر نہیں کی کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا انکو مرتبہ حاصل ہوا۔

سو واضح ہو کہ اس یقین کو بہم پہنچانیکو لئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلی بخش نمونہ ہے مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اسقدر رکعت اور نماز مغرب کی اس قدر رکعات ہیں اگرچہ فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دو یا تین ہیں اور بہرحال احاد سے زیادہ نہیں مگر کیا اس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئیں بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور اگر فرض کے طور حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم یہی ہے جو وقتاً بعد وقت اور قرناً بعد قرن چلی آئی ہے ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نور علیٰ نور کر دیا پس اگر اس قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے تو ان کے اکثر حصہ کو جسکا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد کرنا بڑی غلطی ہوگی اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اس زمانہ کے نیچریوں کو صداقت اسلام سے بہت ہی دور ڈال دیا وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بنا پر ہی قائم ہیں حالانکہ یہ ان کی فاش غلطی ہے بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے

نبی صلعم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تہا وہ ایسا کروڑ ہا انسانون مین پہیل گیا تہا کہ اگر محدثین کا دنیا مین نام ونشان بہی نہوتا تب بہی اسکو کچہہ نقصان نہ تہا۔ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ اُس مقدس معلم اور مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی باتون کو ایسا محدود نہیں رکہا تہا کہ صرف دو چار آدمیون کو سکہلائی جائیں اور باقی سب اس سے بیخبر ہون اگر ایسا ہوتا تو پہر اسلام ایسا بگڑتا کہ کسی محدث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں ہوسکتا تہا۔ اگرچہ ائمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزارہا حدیثین لکہین مگر سوال تو یہہ ہے کہ وہ کونسی حدیث ہے کہ جو اُنکے لکہنے سے پہلے اُسپر عمل نہ تہا اور دنیا اس مضمون سے غافل تہی اگر کوئی ایسی تعلیم یا ایسا واقعہ یا ایسا عقیدہ ہے جو اُس کی بنیاد کی اینٹ صرف ائمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بنا پر رکہی ہے اور تعامل کے سلسلہ مین جسکے کروڑ ہا افراد انسانی قائل ہون اس کا کوئی اثر ونشان دکہائی نہیں دیتا اور نہ قرآن کریم مین اس کا کچہہ ذکر پایا جاتا ہے تو بلا شبہ ایسی خبر واحد جسکا پتہ بہی سو ڈیڑہ سو برس کے بعد لگا یقین کے درجہ سے بہت ہی نیچے گری ہوئی ہوگی اور جو کچہہ اس کی ناقابل تسلی ہونیکی نسبت کہو وہ بجا ہے لیکن ایسی حدیثیں درحقیقت دین اور سوانح اسلام سے کچہہ بڑا تعلق نہیں رکہتین بلکہ اگر سوچکر دیکہو تو ائمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے جنکا تعامل کے سلسلہ میں نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ پس جیسا کہ بعض جاہل خیال کرتے ہین یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دنیا نے دین کے صدہا ضروری مسائل یہانتک کہ صوم وصلوٰۃ بہی صرف امام بخاری اور مسلم وغیرہ کی احادیث سے سیکہی ہین۔ کیا سو ڈیڑہ سو برس تک لوگ بیدین ہی چلے آتے تہے کیا وہ لوگ نماز نہیں پڑہتے تہے زکوٰۃ نہیں دیتے تہے حج نہیں کرتے تہے اور اُن تمام اسلامی عقائد کے امور سے جو حدیثون مین لکہی ہین بے خبر تہے حاشا وکلا ہرگز نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرے اُسکا حمق ایک تعجب انگیز نادانی ہے پہر جبکہ بخاری اور مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے پہلے ہی اسلام ایسا ہی سرسبز تہا جیسا کہ ان اماموں کی تالیفات کے بعد تو پہر یہ خیال کسقدر بے تمیزی اور ناسمجہی ہے کہ سراسر تحکم کی راہ سے یہ اعتقاد کر لیا جائے کہ صرف دوسری صدی کی روائتوں کے سہارے سے اسلام کا وہ حصہ پہولا پہلا ہے جسکے حامی کے زمانہ مین احادیث لکہی ہیں اور افسوس تو یہ کہ مخالف تو مخالف ہمارے مذہب کے بے خبر لوگوں کو بہی یہی وہم کا لگ گیا ہے کہ وہ سمجہتے ہین کہ گویا ایک مدت کے بعد صرف حدیثی روایات کے مطابق بہت سے

مسائل اسلام کے ایسے لوگون کو تسلیم کرائے گئے ہین کہ جو ان حدیثوں کے قلمبند ہونے سے پہلے ان مسائل سے بکلی غافل تھے بلکہ حق بات جو ایک بدیہی امر کیطرح ہے یہی ہے کہ ائمہ حدیث کا اگر لوگون پر کچھہ احسان ہے تو صرف اسقدر کہ وہ امور جو ابتداء سے تعامل کے سلسلہ میں ایک دنیا انکو مانتی تھی انکی اسناد کے بارے میں ان لوگوں نے تحقیق اور تفتیش کی اور یہ دکھلا دیا کہ اس زمانہ کی موجودہ حالت میں جو کچھہ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہین یا عمل مین لا رہے ہین یہ ایسے امور نہین جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہو گئی ہین بلکہ یہ وہی گفتار و کردار ہے جو آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی۔

افسوس کہ اس صحیح اور واقعی امر کے سمجھنے مین غلط فہمی کر کے کوتہ اندیش لوگون نے کسقدر بڑی غلطی کھائی جس کی وجہ سے آجتک وہ حدیثوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اگرچہ یہ تو سچ ہے کہ حدیثوں کا وہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر ہے اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہین یقین کامل کے مرتبہ پر مسلّم نہیں ہو سکتا لیکن وہ دوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ مین آگیا اور کروڑہا مخلوقات ابتداء سے اُسپر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اسکو ظنی اور شکی کیونکر کہا جائے ایک دنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پردادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہو گیا اور اپنے اصل مبدء تک اُسکے آثار اور انوار نظر آ گئے اسمیں تو ایک ذرہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی اور بغیر اس کے انسان کو کچھہ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عمل درآمد کو اول درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے پھر جبکہ ائمہ حدیث نے اس سلسلہ تعامل کے ساتھہ ایک اور سلسلہ قائم کیا۔ اور امور تعاملی کا اسناد راستگو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا تو پھر بھی اسپر جرح کرنا درحقیقت ان لوگون کا کام ہے جنکو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھہ بھی حصہ نہین ملا۔

اب اس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ **مسیح موعود** کے بارے مین جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہین ہے کہ جسکو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بنا پر لکھا ہو وبس بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کیطور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ مین داخل چلی آتی ہے گویا جسقدر اسوقت روئے زمین پر مسلمان تھے اسیقدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتین موجود تہین کیونکہ عقیدہ کے طور پر

وہ اس کو ابتدا سے یاد کرتے چلے آتے تھے اور **ائمہ حدیث** امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی
کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اسکو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان
زد پایا تو اپنے قاعدہ کیموافق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کیلئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور حدیث
صحیح مرفوع متصل سے جسکا ایک ذخیرہ انکی کتابون مین پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا علاوہ اسکے کوئی وجہ معلوم
نہین ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہے تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں انہوں نے اسپر اتفاق
کر لیا اور کس مجبوری نے انکو اس افترا پر آمادہ کیا تھا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری طرف ایسی حدیثیں بھی بکثرت
پائی جاتی ہین جنمیں یہ پیشگوئی کیگئی ہے کہ آخری زمانہ مین علماء اس امت کے یہودی صفت ہو جائیں گے
اور دیانت اور خدا ترسی اور اندرونی پاکیزگی ان سے دور ہو جائیگی اور اس زمانہ مین صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا
اور صلیبی مذہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا مین پھیل جائیگی تو اور بھی ان احادیث کی صحت
پر دلائل قاطعہ پیدا ہوتے ہین کیونکہ کچھ شک نہین کہ اس زمانہ مین یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور ہمارے اس زمانہ
کے علماء درحقیقت یہودیوں سے مشابہ ہو گئے اور نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دنیا میں پھیل گئی
کہ پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہین پائی جاتی پھر جس حالت مین ایک جز اس پیشگوئی کا صریح اور صاف
اور بدیہی طور پر پورا ہو گیا تو پھر دوسری جز کی صداقت مین کیا کلام رہا یہ بات تو ہر ایک عاقل کے نزدیک
مسلّم ہے کہ اگر مثلاً ایک حدیث احاد مین سے ہو اور سلسلہ تعامل مین بھی داخل نہو مگر ایک پیشگوئی پر مشتمل
ہو کہ وہ اپنے وقت پر پوری ہو جائے یا اس کا ایک جز پورا ہو جائے تو اس حدیث کی صحت مین کوئی
شک باقی نہین رہیگا مثلاً **نار حجاز** کی حدیث جو صحیحین مین درج ہے کچھ شک نہین کہ احاد
مین سے ہے لیکن وہ پیشگوئی قریباً چھ سو برس گذرنے کے بعد بعینہٖ پوری ہو گئی جسکے پورے ہونے
کے بارے مین انگریزوں کو بھی اقرار ہے اور اس زمانہ مین پوری ہوئی کہ جب صدہا سال ان کتابونکی
تالیف اور شایع ہونے پر بھی گذر چکے تھے تو کیا ان حدیثوں کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہین
کہ وہ احاد ہین اسلئے یقینی طور پر قبول کے لائق نہین کیونکہ جب انکی صداقت کھل گئی تو پھر ایسا خیال دل مین
لانا نہایت بری اور مکروہ نادانی ہے پس ایسا ہی مسیح موعود کی **پیشگوئی** مین سوچ لو کہ اس مین بھی

یہ الفاظ کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے وقت میں آئیگا کہ جب حکومت اور قوت نصاریٰ کی تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اور ریل جاری ہوگی اور اکثر زمین کے حصے بیدکاشت آجائیگی اور کاشتکاری کیطرف لوگ بہت متوجہ ہونگے یہانتک کہ بیل مہنگے ہو جائینگے اور زمین پر نہروں کی کثرت ہو جائے گی اور دنیوی حالت کی رو سے امن کا زمانہ ہوگا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پوری ہوگئی کیونکہ عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اسکے سامنے تمام حکومتیں اور ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرت کاشتکاری بھی ہمنے آنکھ سے دیکھ لی۔ اب سوچو کہ کیا اس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں کیا اسلام کی یہ حالت تنزل اُس زمانہ میں جبکہ اسلام کی شمشیر بجلی کیطرح کفار پر پڑ رہی تھی کیسکو معلوم تھی؟ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہو سکتا ہے کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جسکا پہلے وجود ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ پیشگوئی ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے نہیں ہے جو اُن کی حقیقت اور اُن کے ظہور پر صرف خداتعالےٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے اور انسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اس پر مشتبہ نہیں ہو سکتے۔ واضح ہے کہ ان پیشگوئیوں کا ایک عجیب سلسلہ ہے اور ایک نہایت درجہ کی ترتیب ابلغ اور ترکیب محکم سے معارف لطیفہ اور نکات دقیقہ اور امور غیبیہ کے ساتھ مرصع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے جسکی بلند شان تک ہرگز انسان کی رسائی نہیں۔ مثلاً اول وہ پیشگوئیاں بیان فرمائیں جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اور انہیں پیشگوئیوں کے ضمن میں فرمایا کہ کسرےٰ ہلاک ہوگا اور پھر بعد اسکے کسرےٰ نہیں ہوگا اور قیصر ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے قیصر نہیں ہوگا اور اسلام ترقی کرے گا۔ اور پھیلے گا اور ہر یک قوم میں داخل ہوگا اور پھر فرمایا کہ اس امت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ علماء اس امت کے یہود کی مشابہ ہو جائینگے اور دیانت اور تقوےٰ انمیں سے جاتے رہیگی جھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے اُن کا دین ہوگا اور دنیوی لالچوں میں گرفتار ہو جائینگے اور یہود کے ساتھ شدت سے مشابہت پیدا کرلینگے یہانتک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں سے زناہ کیا ہے تو وہ بھی کرینگے۔ اور ایسا ہی اس زمانہ میں

قوم نصاریٰ سے دنیا میں پھیل جائے گی۔ اور دوسری قوموں کو مغلوب کر لیگی اور دین کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور زہرناک ہواؤں کے چلنے کیوجہ سے دین اسلام ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرات میں پڑ جائیگا۔ تب مصیبتیں بڑھینگی اور آفتیں زیادہ ہونگی۔ اور مسلمانوں کے دلوں سے تقوےٰ جاتی رہے گی اور بہتر ہوگا کہ ایک شخص اکیلا بسر کرے اور بکریوں کے دودھ پر قناعت رکھے اور مسلمانوں کی جماعت کا نام لیوے اور فرمایا کہ جب تو ویسا حال دیکھے تو ان سب فرقوں کو چھوڑ دے اور کسی درخت کی جڑھوں کو دانت مار یہانتک کہ تیری جان نکل جاوے اور پھر اسی ضمن میں مسیح موعود کے آنیکی خبر دی اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہوگا اور فرمایا کہ وہ انکی صلیب کو توڑیگا اور یہ نہ فرمایا کہ وہ انکی حکومت کو پامال کرے گا۔ یہ اسبات کیطرف اشارہ تہا کہ مسیح موعود کی سلطنت روحانی ہوگی اور اس دنیا کی حکومتوں سے اس کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی برکات کی زور سے لڑیگا اور اپنی خوارق ہتھیاروں سے میدان میں آئے گا یہانتک کہ صلیب کی رونق اور عظمت کو توڑ دیگا اور عیسائیت کی بے برکت اور منحوس عقیدوں کا پردہ کہول دیگا کیونکہ اس کا نور ایک تلوار کیطرح چمکیگا۔ اور جسطرح بجلی گرتی ہے اسی طرح کفر کی ظلمت پر گریگا یہانتک کہ حق کی طلب سمجھ جائینگے کہ وہ زندہ خدا اسلام کیساتھ ہے یہ تمام پیشگوئیاں احادیث میں ایک دریا کیطرح بہہ رہی ہیں اور ایک دوسرے سے انکا ایسا تعلق ہے کہ ایک کی تکذیب سے دوسری کی تکذیب لازم آتی ہے اور ایک کے ماننے سے دوسری بھی ماننی پڑتی ہے پھر ایسی مسلسل اور مرتب اور منتظم اور باانتظام پیشگوئیوں میں کون شک کرسکتا ہے بجز اسکے کہ پاگلوں سے زیادہ مخبط الحواس ہو کیا کوئی دانا ایک سکنڈ کیلئے بھی یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہزارہا پیشگوئیاں جو خارق عادت امور پر مشتمل ہیں صرف انسان کا افترا ہے سچ بات یہ ہے کہ مرتب اور باانتظام اور عظیم الشان باتوں کا انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اُن کے انکار سے ایک انقلاب عظیم لازم آتا ہے اور ایک دنیا کو بدلانا پڑتا ہے۔

ماسوا اس کے ان پیشگوئیوں میں انکی صداقت کیلئے ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ دنیوی انقلابات کے متعلق جو کچھ اُن میں درج تہا اور بظاہر وہ سب ناشدنی باتیں تہیں وہ تمام باتیں پوری ہو گئی ہیں۔ کیونکہ تیرہویں صدی کی ابتدا سے ہی ہر یک اندرونی اور بیرونی آفت میں ترقی ہونے لگی یہانتک کہ

تیرہوین صدی کے خاتمہ تک گویا دین اور اسلامی شوکت اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ بلائین مسلمانون
کے دین اور دنیا پر نازل ہوئین کہ گویا ان کا جہان ہی بدل گیا - جب ہم ان بلاؤن کو اپنی نظر کے سامنے رکھ
کر پہر اُن پیشگوئیون پر نظر ڈالتے ہین جو امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اسوقت سے قریباً گیارہ سو برس پہلے
لکہی تہیں اور اس زمانہ مین لکہی تہین کہ جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تہا اور اس کی اندرونی حالت
گویا حسن مین رشک یوسف تہی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندر رومی کو شرمندہ
کرتی تہی تو اپنے نبی کریم کی کامل اور پاک وحی اور عظمت اور جلال اور قوت قدسیہ کو یاد کر کے ہماری قوت
ایمانی جوش مین آتی ہے اور بلا اختیار رونا آتا ہے - سبحان اللہ وہ کیا نور تہا جسپر آجسے تیرہ سو برس پہلے قبل از
وقت ظاہر کیا گیا کہ اس کی امت ابتدا مین کیونکر نشو و نما کرے گی اور کیونکر خارق عادت طور پر اپنی ترقی
دکہلائیگی اور کیونکر آخری زمانہ مین یکدفعہ نیچے گر جائیگی اور پہر کیونکر چند صدیوں مین قوم نصاریٰ کا تمام روئے زمین
پر غلبہ ہو جائیگا اور یاد رہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ بہی خبر دی جو صحیح مسلم مین درج ہے اور فرمایا ولیترکن القلاص فلا یسعی علیہا یعنے مسیح موعود کے
زمانہ مین اونٹنی کی سواری موقوف ہو جائیگی پس کوئی انپر سوار ہو کر انکو نہیں دوڑائیگا اور یہ ریل کیطرف اشارہ تہا
کہ اسکے نکلنے سے اونٹوں کے دوڑانیکی حاجت نہیں رہیگی اور اونٹ کو اس لئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریون مین سے
بڑی سواری اونٹ ہی ہے جسپر وہ اپنے مختصر گہر کا تمام اسباب رکہکر پہر سوار بہی ہو سکتے ہین اور بڑے کے
ذکر مین چہوٹا خود ضمناً آجاتا ہے پس حاصل مطلب یہ تہا کہ اس زمانہ مین ایسی سواری نکلیگی کہ اونٹ پر بہی
غالب آجائے گی جیسا کہ دیکہتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریباً وہ تمام کام جو اونٹ کرتے تہے اب ریلین کر رہی
ہین پس اس سے زیادہ تر صاف اور منکشف اور کیا پیشگوئی ہوگی چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے
ہی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنی آخری زمانہ وہ ہے کہ جب اونٹنی بیکار
ہو جائیگی یہ بہی صریح ریل کیطرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہین اور چونکہ
حدیث مین صریح مسیح موعود کے بارے مین یہ بیان ہے اس سے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیے کہ یہ آیت بہی
مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے - اور اجمالاً مسیح موعود کیطرف اشارہ کرتی ہے پہر لوگ باوجود اتنے

آیات بینات سے گئے تو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں ان پیشگوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں اب منصفین سوچ لیں کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت جنکی غیبی باتیں پوری ہوتی آنکھ سے دیکھی گئیں شک کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اسقدر جو میں نے احادیث کی رو سے مسیح موعود کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا ہے میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کی تسلی یاب ہونیکے لئے کافی ہے جو صداقت کو پاکر پھر ناحق کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا اور میں نے اسجگہ اصل الفاظ احادیث کو نقل نہیں کیا اور نہ تمام احادیث کے خلاصہ کو لکھا ہے کیونکہ یہ حدیثیں ایسی مشہور اور زبان زد خلایق ہیں کہ دیہات کے چھوٹے چھوٹے طالب العلم بھی انکو جانتے ہیں اور اگر میں تمام احادیث کو جو اسباب میں آئی ہیں اس مختصر رسالہ میں لکھتا تو شاید میں دس جزو تک بھی لکھکر فارغ نہ ہو سکتا لیکن میں ناظرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرور وہ صحاح ستہ کی اصل کتابیں یا انکے تراجم کو غور سے دیکھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس کثرت سے اور کس قوت بیان کیساتھ اس قسم کی احادیث موجود ہیں +

دوسرا امر تنقیح طلب یہ تہا کہ قرآن کریم میں **مسیح موعود** کی نسبت کچھ ذکر ہے یا نہیں اسکا فیصلہ دلائل قطعیہ نے اس طرح پر دیا ہے کہ ضرور یہ ذکر قرآن میں موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی اُن آیندہ کی پیشگوئیوں پر غور کرے گا جو اس امت کے آخری زمانہ کی نسبت اس مقدس کتاب میں ہیں تو اگر وہ فہیم اور زندہ دل اپنے سینہ میں رکھتا ہے تو اسکو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ قرآن کریم میں یقینی اور قطعی طور پر ایک ایسے مصلح کی خبر موجود ہے جسکا ذکر نقطوں میں مسیح موعود ہی نام ہونا چاہیئے نہ اور کچھ اس خبر کو سمجھنے کیلئے پہلے مندرجہ ذیل آیات کو یکجائی نظر سے دیکھ لینا چاہیئے مثلاً یہ آیات والتی احصنت فرجہا فنفخنا فیہا من روحنا وجعلنٰہا وابنہا اٰیۃ للعالمین۔ ان ہذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون۔ وتقطعوا امرہم بینہم کل الینا راجعون۔ حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وہم من کل حدب ینسلون۔

+ نوٹ۔ حزقیل ۳۸ باب اور ۳۹ باب آیت ۵ و ۶۔ روضۃ الصفا بیان اقلیم چہارم جلد پنجم و ششم و تفسیر معالم + منہ

واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا یا ویلنا قد کنا فی غفلۃ من ھذا بل کنا ظالمین۔

یعنے خدا تعالے نے اس عورت کو ہدایت دی جس نے اپنی شرمگاہ کو نامحرم سے بچایا پس خدا نے اُس مین اپنی روح کو پھونک دیا اور اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا کے لئے ایک نشان ٹہرایا اور خدا نے کہا کہ یہ امت تمہاری ایک ہی امت ہے اور مین تمہارا پروردگار ہون سو تم میری ہی بندگی کرو مگر وہ فرقہ فرقہ ہو گئے اور اپنی بات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور باہم اختلاف ڈالدیا اور آخر ہر یک ہماری ہی طرف رجوع کریگا اور تمام فرقے ایسی ہی حالت پر رہین گے یہانتک کہ یاجوج ماجوج کھولے جائین گے اور وہ ہر ایک بلندی سے دوڑتے ہونگے اور جب تم دیکھو کہ یاجوج ماجوج زمین پر غالب ہو گئے تو سمجھو کہ وعدہ سچا مذہب حق کے پھیلنے کا نزدیک آگیا اور وہ وعدہ یہ ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اور پھر فرمایا کہ اس وعدے کے ظہور کے وقت کفار کی آنکھین چڑہی ہونگی اور کہین گے کہ اے وائے ہمکو۔ ہم اس غفلت مین تھے بلکہ ہم ظالم تھے یعنے ظہور حق بڑے زور سے ہوگا اور کفار سمجھ لینگے کہ ہم خطا پر ہین۔ ان تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ آخری زمانہ مین دنیا مین بہت سے مذہب پھیل جائینگے اور بہت سے فرقے ہو جائینگے پھر دو قومین خروج کرینگی جنکا عیسائی مذہب ہوگا اور ہر یک طور کی بلندی وہ حاصل کرینگے اور جب تم دیکھو کہ عیسائی مذہب اور عیسائی حکومتین دنیا مین پھیل گئین تو جانو کہ وعدہ کا وقت نزدیک ہے پھر دوسرے مقام مین فرمایا ہے فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقا وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔ الجزو ۱۶ یعنے جب وعدہ خدا تعالے کا نزدیک آجائیگا تو خدا تعالی اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیگا جو یاجوج ماجوج کی روک ہے اور خدا تعالے کا وعدہ سچا ہے اور ہم اُسدن یعنے یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ مین متفرق فرقون کو مہلت دینگے کہ تا ایکدوسرے مین موجزنی کرین یعنے ہر یک فرقہ اپنے مذہب اور دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جسطرح ایک موج اُس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جسکو اوپر پڑتی ہے اسی طرح موج کی مانند بعض بعض پر پڑین گی

تا ان کو دبالین اور کسی کی طرف سے کمی نہین ہوگی ہر یک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لئے کوشش کرے گا اور وہ انہیں لڑائیون مین ہونگے کہ خدا تعالے کیطرف سے صور پہونکا جائیگا۔ تب ہم تمام فرقونکو ایک ہی مذہب پر جمع کر دینگے ‡ صور پہونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہی کہ اُسوقت عادۃ اللہ کیموافق خدا تعالے کیطرف سے آسمانی تائیدون کیساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا اور اسکے دل مین زندگی کی روح پہونکی جائے گی۔ اور وہ زندگی دوسرون مین سرایت کریگی۔ یاد رہے کہ صور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیون کیطرف اشارہ کرتا ہی گویا جب خدا تعالےٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے دوسری صورت مین لاتا ہی تو اس تغیر صُور کے وقت کو **نفخ صور** سے تعبیر کرتے ہین۔ اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم مین سے ہین جن کے سر اس دنیا مین بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔ بہرحال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہی کہ آخری زمانہ مین عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا۔ اور مختلف قومون مین بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہون گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ مین صور پہونک کر تمام قومون کو دین اسلام پر جمع کیا جاویگا یعنی سنت اللہ

حاشیہ ‡

ان آیات مین کسی کم تجربہ آدمی کو یہ خیال نگذرے کہ ان دونون مقامات کے بعد مین جہنم کا ذکر ہے اور بظاہر سیاق کلام چاہتا ہے کہ یہ قصہ آخرت سے متعلق ہو مگر یاد رہے کہ یہ عام محاورہ قرآن کریم کا ہے اور صدہا نظیرین اُس کی اُس پاک کلام مین موجود ہین کہ ایک دنیا کے قصہ کے ساتھ آخرت کا قصہ پیوند کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک حصہ کلام کا اپنے قرائن سے دوسرے حصہ سے تمیز رکھتا ہے اِس طرز سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے مثلاً قرآن کریم مین شق القمر کے معجزہ کو ہی دیکھو کہ وہ ایک نشان تھا لیکن ساتھ اسکی قیامت کا قصہ چھیڑ دیا گیا۔ جسکی وجہ سے بعض نادان قرینون کو نظر انداز کر کے کہتے ہین کہ شق القمر وقوع مین نہیں آیا بلکہ قیامت کو ہوگا۔

منہ

کیموافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی **مصلح** آئیگا اور حقیقت اسی مصلح کا نام **مسیح موعود**
ہے کیونکہ جبکہ فتنہ کی بنیاد نصارے کیطرف سے ہوگی اور خدا تعالےٰ کا بڑا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی صلیب
کی شان کو توڑے اسلئے جو شخص نصارے کی دعوت کیلئے بھیجا گیا بوجہ رعایت حالت اس قوم کی جو مخاطب
ہے اسکا نام مسیح اور **عیسیٰ** رکھا گیا اور دوسری حکمت اس مین یہ ہے کہ جب نصارے نے حضرت
عیسیٰ کو خدا بنایا اور اپنی مفتریات کو انکی طرف منسوب کیا اور ہزارہا مکاریون کو زمین پر پھیلایا اور حضرت
مسیح کی قدر کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تو اس بندہ اور وحید بے مثل کی غیرت نے چاہا کہ اسی امت سے عیسیٰ
ابن مریم کے نام پر ایک اپنے بندہ کو بھیجے اور کرشمہ قدرت کا دکھلاوے تا ثابت ہو کہ بندوں کو خدا بنانا حماقت
ہے وہ جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور مشت خاک کو افلاک تک پہنچا سکتا ہے اور اس جگہ یہ بات
بھی یاد رہے کہ زمانہ کے فساد کیوقت جبکوئی مصلح آتا ہے اس کے ظہور کیوقت پر آسمان سے ایک انتشار نورانیت
ہوتا ہے یعنی اس کے اترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے تب دنیا
خود بخود بشرط استعداد نیکی اور سعادت کے طریقون کیطرف رغبت کرتی ہے اور ہر یک دل تحقیق اور تدقیق
کیطرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کیلئے ہر یک طبیعت مستعدہ مین ایک حرکت
پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئے
قوتوں کو جگا دیتی ہے اور زمانہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک انقلاب عظیم کیطرف حرکت کر رہا ہے۔ سو یہ
علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہین کہ وہ مصلح دنیا مین پیدا ہو گیا۔ پھر جسقدر آنیوالا مصلح عظیم الشان ہو یہ غیبی
تحریکات قوت سے مستعد دلوں مین اپنا کام کرتی ہین ہر یک سعید الفطرت جاگ اٹھتا ہے اور نہیں
جانتا ہے کہ اس کو کس نے جگایا ہر یک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور نہیں معلوم
کر سکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی غرض ایک جنبش سی دلوں مین شروع ہو جاتی ہے اور نادان خیال
کرتے ہین کہ یہ جنبش خود بخود پیدا ہو گئی لیکن درپردہ ایک رسول یا مجدد کے ساتھ یہ انوار نازل ہوتے ہین
چنانچہ قرآن کریم اور احادیث کی رو سے یہ امر نہایت انکشاف کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ
فرماتا ہے۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر

تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امرٍ سلٰم ھی حتیٰ مطلع الفجر۔ یعنے ہمنے اس کتاب اور اس نبی کو لیلۃ القدر مین اتارا ہے اور تو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے اس مین فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے اذن سے اترتے ہین اور وہ ہر یک امر مین سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہانتک کہ فجر ہو۔ اب اگرچہ مسلمانون کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالےٰ نے مجھ کو مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنون کے جو مسلّم قوم ہین لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دنیا مین ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو سو ....

خدا تعالےٰ اسوقت اپنے نورانی ملائکہ اور روح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے اسی طور کے نزول کیساتھ جو فرشتوں کی شان کے ساتھ مناسب حال ہے تب روح القدس تو اس مجدد اور مصلح سے تعلق پکڑتا ہے جو اجتبا اور اصطفا کی خلعت سے مشرف ہو کر دعوت حق کیلئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگون سے تعلق پکڑتے ہین جو سعید اور رشید اور مستعد ہین اور انکو نیکی کیطرف کھینچتے ہین اور نیک توفیقین ان کے سامنے رکھتے ہین تب دنیا مین سلامتی اور سعادت کی راہین پھیلتی ہین اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اس کمال کو پہنچ جائے جو اس کیلئے مقدر کیا گیا ہے۔

اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ خدا تعالےٰ نے اس سورہ مبارکہ مین صاف اور صریح لفظون مین فرمایا کہ جب کوئی مصلح خدا تعالےٰ کیطرف سے آتا ہے تو ضرور دلوں کو حرکت دینے والے ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہین تب انکے نزول سے ایک حرکت اور تموج دلوں مین نیکی اور راہ حق کیطرف پیدا ہو جاتا ہے پس ایسا خیال کرنا کہ یہ حرکت اور یہ تموج بغیر ظہور مصلح کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے خدا تعالےٰ کی پاک کلام اور اس کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے اور ایسے اقوال صرف ان لوگون کے موہنہ سے نکلتے ہین جو الٰہی اسرار سے بیخبر محض اور صرف اپنی بے بنیاد اوہام کے تابع ہین بلکہ یہ تو آسمانی مصلح کے پیدا ہونے کے علامات خاصہ مین اور اس آفتاب کے گرد ذرات کی مانند ہین ہان اس حقیقت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہین ایک دنیا دار کی دود آمیز نظر اس نور کو دریافت نہیں کر سکتی دینی صداقتین اس کی نظر مین ایک تمسخر کی بات ہے اور معارف

الٰہی اس کے خیال مین بیوقوفیان ہین -

اور دوسری آیات جنمین اُس آخری زمانہ کی نشانیان بتلائی گئی ہین یعنی وہ آیات جنمین اول ارضی تاریکی زور کیساتھ پہیلنے کی خبر دی گئی ہے اور پہر آسمانی روشنی کے نازل ہونے کی علامتین بتائی گئی ہین وہ یہ ہین - اذا زلزلت الارض زلزالها و اخرجت الارض اثقالها وقال الانسان مالها یومئذ تحدث اخبارها بان ربك اوحى لها یعنی آخری زمانہ اس وقت آئیگا کہ جبوقت زمین ایک ہولناک جنبش کے ساتھ جو اس کی مقدار کے مناسب حال ہی ہلائی جائیگی یعنی اہل الارض مین ایک تغیر عظیم آئیگا اور نفس اور دُنیا پرستی کیطرف لوگ جہک جائینگے اور پہر فرمایا کہ زمین اپنے تمام بوجہ نکال ڈالیگی یعنی زمینی علوم اور زمینی مکر اور زمینی چالاکیان اور زمینی کمالات جو کچھہ انسان کی فطرت مین مودع ہین سب کی سب ظہور مین آجائینگی اور نیز زمین جسپر انسان رہتے ہین اپنے تمام خواص ظاہر کردیگی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتین اسکی معلوم ہوجائینگی اور کانین منودار ہونگی اور کاشتکاری کی کثرت ہوجائیگی - غرض زمین زر خیز ہوجائیگی اور انواع واقسام کی کلین ایجاد ہونگی یہانتک کہ انسان کہیگا کہ یہ کیا ماجرا ہے اور یہ نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون اور نئی نئی صنعتین کیونکر ظہور مین آتی جاتی ہین تب زمین یعنی انسانون کے دل بزبان حال سے اپنے قصے سنائینگے کہ یہ نئی باتین جو ظہور مین آرہی ہین یہ ہماری طرف سے نہیں یہ خدا تعالیٰ کیطرف سے ایک قسم کی وحی ہے - کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی کوششون سے اس قدر علوم عجیبہ پیدا کرسکے +

اور یاد رہے کہ ان آیات کے ساتھہ جو قرآن کریم مین بعض دوسری آیات جو آخرت کیمتعلق ہین شامل کیگئی ہین وہ درحقیقت اُسی سنت اللہ کیموافق شامل فرمائی گئی ہین جسکا ذکر پہلے ہوچکا ہے ورنہ اس مین کچھہ شک نہیں کہ حقیقی اور مقدم معنے ان آیات کے یہی ہین جو ہمنے بیان کئے اور اسپر قرینہ جو نہایت قوی اور فیصلہ کرنیوالا ہے یہ ہے کہ اگر ان آیات کے حسب ظاہر معنے کئے جائین تو ایک فساد عظیم لازم آتا ہے یعنے اگر ہم اس طور سے معنے کرین کہ کسی وقت باوجود قایم رہنے اس آبادی کے جو دنیا مین موجود ہے ایسے سخت زلزلے زمین پر آئینگے جو تمام زمین کے اوپر کا طبقہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہوجائیگا تو یہ بالکل

غیر ممکن اور ممتنعات مین سے ہے۔ آیتہ موصوفہ مین صاف لکہا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا
پہر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید زلزلون کیساتھ زیروزبر ہو جائیگی تو انسان کہاں ہوگا
جو زمین سے سوال کرے گا وہ تو پہلے ہی زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم مین مخفی ہو جائے گا علوم حسیہ کا تو کسی طرح
انکار نہیں ہو سکتا پس ایسے معنے کرنا جو بہداہت باطل اور قرآن موجودہ کے مخالف ہون گویا اسلام کی ہنسی
کرانا اور مخالفین کو اعتراض کیلئے موقعہ دینا ہے پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابہی ہمنے بیان کئے۔ اب ظاہر
ہے کہ یہ تغیرات اور فتن اور زلازل ہمارے زمانہ مین قوم نصاریٰ سے ہی ظہور مین آئی ہیں جن کی نظیر دنیا
مین کبہی نہیں پائی گئی۔ پس یہ ایک دوسری دلیل اسبات پر ہے کہ یہی قوم وہ آخری قوم ہے جسکے ہاتھ سے
طرح طرح کے فتنون کا پہیلنا مقدر تہا جسنے دنیا مین طرح طرح کے ساحرانہ کام دکہلائے اور جیسا کہ
لکہا ہے کہ دجال نبوت کا دعوے کرے گا اور نیز خدائی کا دعوے بہی اس سے ظہور مین آئے گا۔ وہ دونوں باتیں
اس قوم سے ظہور مین آگئیں۔ نبوت کا دعوے اس طرح پر کہ اس قوم کے پادریوں نے نبیوں کی کتابون مین
بڑی گستاخی سے دخل بیجا کیا اور ایسی بیباکانہ مداخلت کی کہ گویا وہ آپ ہی نبی ہین جسطرف چاہا انکی عبارات
کو پہیر لیا اور اپنی مدعا کے موافق شرحین لکہیں اور بیباکی سے ہر یک جگہ مفتریانہ دخل دیا موجود کو چہپایا اور معدوم
کو ظاہر کیا اور دعوے کے ساتھ ایسے محرف طور پر معنے کئے کہ گویا انپر وحی نازل ہوئی اور وہ نبی ہین چنانچہ
ہمیشہ دیکہا جاتا ہے کہ وہ مناظرات اور مباحثات کیوقت ایسے بیہودہ اور دور از صدق جواب عمداً دیتے
ہین کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہین ایسا ہی انکی تالیفات بہی کسی نئے عیسیٰ اور نئی انجیل کی طرف
رہبری کر رہی ہین اور وہ جہوٹھ بولنے کے وقت ذرہ ڈرتے نہیں اور چالاکی کی راہ سے کڑوڑہا کتابیں
اپنے اس کاذبانہ دعوے کے متعلق بنا ڈالین گویا وہ دیکہہ آئے ہین کہ حضرت عیسیٰ خدائی کی کرسی پر بیٹہے ہیں
اور خدائی کا اس طرح پر دعوے کیا کہ خدائی کامون مین حد سے زیادہ دخل دیدیا اور چاہا کہ زمین و آسمان
مین کوئی بہی ایسا بہید مخفی نہ رہے جو وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے سارے
کامون کو اپنی مٹہی مین لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کَل اُن کے ہاتہہ مین آجائے کہ اگر ممکن ہو
تو سورج کا غروب اور طلوع بہی انہیں کے اختیار مین ہی ہو اور بارش کا ہونا نہ ہونا بہی اُن کے

اپنے ہاتھہ کی کارستانی پر موقوف ہوا اور کوئی بات اُن کے آگے انہونی نہ رہی اور دعویٰ خدائی اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ خدائی کاموں مین اور خدا تعالےٰ کی خاص قدرتوں مین ہی دست اندازی کرین اور یہ شوق پیدا ہو کہ کسیطرح اس کی جگہ بھی ہم ہی لیلیوین - وہ لوگ جو احادیث مسیح موعود اور احادیث متعلقہ دجال پر حرف زنی کرتے ہین انکو اس مقام مین بہی غور کرنی چاہیے کہ اگر یہ پیشگوئیان خدا تعالیٰ کیطرف سے نہ ہوتین اور صرف انسان کا کاروبار ہوتا - تو ممکن نہ تہا کہ ایسی صفائی اور عمدگی سے پوری ہوتین کیا یہ بھی کبھی کسی کی گمان مین تہا کہ یہ قوم نصارے کسی زمانہ مین انسان کے خدا بنانے مین اسقدر کوششین اور جعلسازیان کرینگے اور فلسفی تحقیقاتون مین خدا کے لئے کوئی مرتبہ خصوصیت ہنین چہوڑینگے دیکہو خر دجال جسکو ہمین اُنذین کا ستر باع کا فاصلہ لکہا ہے ریلون کی گاڑیوں سے بطور اغلب اکثر بالکل مطابق آتا ہے اور جیساکہ قرآن اور حدیث میں آیا ہے کہ اس زمانہ مین اونٹ کی سواریاں موقوف ہو جائینگی ایسا ہی ہم دیکھتے ہین کہ ریل کی سواری نے ان تمام سواریوں کو مات کر دیا اور اب انکی بہت ہی کم ضرورت باقی رہی ہی اور شاید تہوڑے ہی عرصہ مین اس قدر ضرورت بہی باقی نہ رہے - ایسا ہی ہمنے بچشم خود دیکہا کہ درحقیقت اس قوم کے علماء حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کئے کہ جنکی نظیر حضرت آدم سے لیکر تا این دم پائی ہنین جاتی پس بلاشبہ ثبوت مین بھی انہوں نے مداخلت کی اور خدائی پر بھی اب اس سے زیادہ ان احادیث کی صحت کا کیا ثبوت ہو کہ ان کی پیشگوئی پوری ہوگی اور قرآن الکریم کی ان آیات نے یعنی اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا مین حقیقت مین اسی دجالی زمانہ کیطرف اشارہ ہے جسکو ذرا بھی عقل ہو وہ سمجہہ سکتا ہی اور یہ آیت صاف بتلا رہی ہی کہ وہ قوم ارضی علوم مین کہان تک ترقی کریگی -

پہر اسی زمانہ کے علامات میں جبکہ ارضی علوم و فنون زمین سے نکالے جائینگے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ جبکہ زمین کہینچی جاویگی یعنے زمین صاف کیجائیگی اور آبادی بڑھ جاویگی اور جو کچہہ اُسکے بیچ ہے اس کو زمین باہر ڈال دیگی اور خالی ہو جائیگی یعنے تمام ارضی استعدادین ظہور و بروز مین آجائینگی

جیسا کہ پہلے اس سے ابھی تفصیل اسکی ہو چکی ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنے اُس وقت اونٹنی بیکار ہو جائے گی۔ اور اس کا کچھ قدر و منزلت نہیں رہیگا عشار حملدار اونٹنی کو کہتے ہیں جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے اس آیت کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ قیامت ایسی جگہ نہیں جس میں اونٹ اونٹنی کو ملے اور حمل ٹھہرے بلکہ یہ ریل کے نکلنے کیطرف اشارہ ہے اور حملدار ہونے کی اس لئے قید لگادی کہ تا یہ قید دنیا کے واقعہ پر قرینہ قویہ ہو اور آخرت کیطرف ذرہ بھی وہم نہ جائے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ اور جسوقت کتابیں منتشر کیجائینگی اور پھیلائی جائینگی یعنے اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے۔ یہ چھاپے خانوں اور ڈاکخانوں کیطرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں انکی کثرت ہو جائے گی وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ اور جسوقت جانیں باہم ملائی جائیں گی۔ یہ تعلقات اقوام اور بلاد کیطرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بباعث راستوں کے کھلنے اور انتظام ڈاک اور تار برقی کے تعلقات بنی آدم کی بڑھ جائینگے اور ایک قوم دوسری قوم کو ملیگی اور دور دور کے رشتے اور تجارتی اتحاد ہونگے اور بلاد بعیدہ کے دوستانہ تعلقات بڑھ جائیں گے وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ اور جسوقت وحشی آدمیوں کیساتھ اکٹھے کئے جائیں گے مطلب یہہ ہے کہ وحشی قومیں تہذیب کیطرف رجوع کرینگی اور انمیں انسانیت اور تمیز آئیگی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جائینگے اور بباعث دنیوی علوم وفنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کچھ فرق نہیں رہیگا بلکہ رذیل غالب آجائینگے یہانتک کہ کلید دولت اور عنان حکومت اُن کے ہاتھ میں ہو گی اور مضمون اس آیت کا ایک حدیث کے مضمون سے بھی ملتا ہے۔ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جسوقت دریا چیرے جائینگے یعنے زمین پر نہریں پھیل جائینگی اور کاشتکاری کثرت سے ہو گی۔ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جسوقت پہاڑ اڑائے جائینگے اور اُن میں سڑکیں پیادوں اور سواروں کے چلنے کی یا ریل کے چلنے کیلئے بنائی جائینگی۔ پھر علاوہ اس کے عام ظلمت کی نشانیاں بیان فرمائیں اور فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جسوقت سورج لپیٹا جاویگا یعنے سخت ظلمت جہالت اور معصیت کی دنیا پر طاری ہو جائے گی۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور جسوقت تارے گدلے ہو جاوینگے یعنے علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور جسوقت تارے جھڑ جاوینگے یعنے ربانی علماء فوت ہو جائینگے

کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پر تارے گریں اور پھر زمین پر لوگ آباد رہ سکیں یاد رہے کہ مسیح موعود کے آنیکے لئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اس وقت آئیگا کہ جب زمین پر تارے گر جائیں گے اور سورج اور چاند کا نور جاتا رہے گا اور ان پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا اس قدر خلاف قیاس ہے کہ کوئی دانا ہرگز یہ تجویز نہیں کرے گا کہ درحقیقت سورج کی روشنی جاتی رہے اور ستارے تمام زمین پر گر پڑیں اور پھر زمین بدستور آدمیوں سے آباد ہو اور اُس حالت میں مسیح موعود آوے اور پھر فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ جسوقت آسمان پھٹ جاوے ایسا ہی فرمایا اذا السماء انفطرت اور انجیل میں بھی اسی کے مطابق مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے مگر ان آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اسوقت آسمان پھٹ جائیگا یا اس کی قوتیں سست ہو جائینگی بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسی پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو گا آسمان سے فیوض نازل نہیں ہونگے اور دنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائیگی اور پھر ایک جگہ فرمایا۔ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب رسول وقت مقررہ پر لائے جائینگے یہ اشارہ درحقیقت مسیح موعود کے آنیکی طرف ہے اور اس بات کا بیان مقصود ہے کہ وہ عین وقت پر آئے گا اور یاد رہے کہ کلام اللہ میں رُسُل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول پر بھی اطلاق پاتا ہے اور یہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کے جامع ہیں جیسا کہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کیلئے ظہر بھی ہے اور بطن بھی۔ پس اگر رسولوں کے قیامت کے میدان میں بھی شہادت کیلئے جمع ہوں تو آمنا وصدقنا لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر یہ بھی فرما دیا کہ اسوقت رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے تو قرائن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اُس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالٰی کسی اپنے مرسل کو بھیجے گا تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کیطرف سے ہوگی تو ایسا مامور من اللہ بلاشبہ انہیں کی دعوت کیلئے اور انہیں کے فیصلہ کیلئے آئیگا پس اسی مناسبت سے اُس کا نام عیسٰی رکھا گیا ہے کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اُن کے لئے بھیجے گئے تھے اور آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں الف لام عہد خارجی پر دلالت کرتا ہے یعنے وہ مجدد جس کا بھیجنا بزبان رسول کریم معہود ہو چکا ہے وہ اس عیسائی ظلمت

کے وقت مین بہیجا جائیگا۔

جسقدر ابتک ہم آیات قرآن کریم لکہہ چکے ہین اُن سے بخوبی ظاہر ہے کہ ضرور قرآن کریم مین یہ پیشگوئی موجود ہے کہ آخری زمانہ مین دین عیسوی دنیا مین بکثرت پہیل جائیگا اور وہ لوگ ارادہ کرینگے کہ تا دین اسلام کو روے زمین سے مٹا دین اور جہانتک اُن کیلئے ممکن ہوگا اپنے دین کی بہلائی مین کوئی وقیقہ چہوڑ نہین رکہین گے۔ تب خدا تعالےٰ دین اسلام کی نصرت کیطرف متوجہ ہوگا اور اس فتنہ کیوقت مین دکہلائے گا کہ وہ کیونکر اپنے دین اور اپنے پاک کلام کا محافظ ہے تب اس کی عادت اور سنت کے موافق ایک آسمانی روشنی نازل ہوگی اور ہر ایک سعید اُس روشنی کیطرف کہینچا جائیگا یہانتک کہ تمام سعادت کے جگر پارے ایک ہی دین کے جہنڈے کے نیچے آجائینگے خدا تعالےٰ نے صاف لفظون مین فرما دیا ہے کہ لڑائیون اور مباحثات کے شور پڑنے کیوقت مین نفخ صور ہوگا تب سعید لوگ ایک ہی مذہب پر جمع کئے جائینگے اور پہر یہ بہی فرما دیا کہ تاریکی کے وقت مین رسولون کو بہیجا جائیگا۔ اب اس سے اور کیا تصریح ہوگی کہ اللہ جلشانہ نے **اول** آخری زمانہ کی علامت یاجوج ماجوج کا غلبہ یعنی روس اور انگریزون کا تسلط بیان فرمایا۔ پہر **دوسری** علامت بہت سے فرقے پیدا ہو جانا قرار دیا۔ پہر **تیسری** علامت ان فرقون کا آپس مین مباحثات کرنا اور موج کیطرح ایکدوسرے پر پڑنا بیان فرمایا۔ پہر **چوتہی** علامت ریل کا جاری ہونا۔ پہر **پانچوین** علامت کتابون اور اخبار کے شایع ہونے کے ذریعے جیسے چہاپہ خانہ اور تار برقی۔ پہر **چہٹی** علامت نہرون کا نکلنا اور پہر **ساتوین** علامت زمین کی آبادی اور کاشتکاری زیادہ ہو جانا اور پہر **آٹہوین** علامت پہاڑون کا اڑایا جانا اور پہر **نوین** علامت تمام علوم و فنون جدیدہ کی ترقی ہونا۔ پہر **دسوین** علامت گناہ اور تاریکی کا پہیلنا اور دنیا سے تقوے و طہارت اور ایمانی نور اٹہہ جانا۔ پہر **گیارہوین** علامت دابۃ الارض کا ظہور مین آنا یعنی ایسے واعظون کا بکثرت ہو جانا۔ جن مین آسمانی نور ایک ذرہ بہی نہین اور صرف وہ زمین کے کیڑے ہین اعمال انکے دجال کیساتہہ ہین اور زبانین اُن کی اسلام کیساتہہ یعنی علمی طور پر وہ دجال کے خادم اور ممسوخ الصورت اور حیوانی شکل ظاہر کر رہے ہین مگر زبانین انکی انسان کی

سی ہیں - پھر بارہویں علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے - ایک نفخ اضلال اور ایک نفخ ہدایت جیسا کہ
اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی
الارض الا ما شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون یہ آیتیں ذوالوجوہ
ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی جیسا کہ آیت اعلموا ان اللہ یحیی الارض
بعد موتہا اور جیسا کہ آیت فسالت اودیۃ بقدرھا اور اس عالم کے لحاظ سے ان آیتوں کے
یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئینگے ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی
شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہو گی مگر جسکو خدا محفوظ رکھے اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئیگا ناگاہ لوگ کھڑے
ہو جائیں گے اور دیکھتے ہونگے یعنی غفلت دور ہو جائے گی اور مومنین معرفت داخل ہو جائینگے اور شقی اپنی
شقاوت پر متنبہ ہو جائیں گے گو ایمان نہ لاویں -

اور علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس آخری زمانہ
اور مسیح موعود کے آنے پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان معانی مبارکہ کے ماخذ دقیق ہیں اس لئے ہر یک سطحی
خیال کا آدمی اس طرف توجہ نہیں کرسکتا اور موٹی سمجھ والے ان دقایق کو پا نہیں سکتے چنانچہ منجملہ انکے یہ آیت
ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا
اب ظاہر ہے کہ کما کے لفظ سے یہہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی مثیل موسی ہیں چنانچہ توریت
باب استثنا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسے لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے
مراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ کیونکہ اگر مماثلت ناقصہ مراد ہو تو پھر اس صورت میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی وجہ یہ کہ ایسی مماثلت والے بہت سے نبی ثابت ہونگے
جنہوں نے خدا تعالے کے حکم سے تلوار بھی اٹھائی اور حضرت موسی کی طرح جنگ بھی کئے اور عجیب طور پر
فتحیں بھی حاصل کیں مگر کیا وہ اس پیشگوئی کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں غرض ہمارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب مماثلت سے مماثلت تامہ مراد ہو اور
مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزوں میں سے ایک یہ بھی جزو ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت موسے کو

اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور اکرام و انعام خلافت ظاہری اور باطنی کا ایک لمبا سلسلہ اُن کی شریعت میں رکھدیا جو قریباً چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا **خاتمہ ہوا** اس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ شریعت موسوی کے حامیوں کی ایسے عجیب طور پر مدد کرتا رہا جو ایک حیرت انگیز یادگار کے طور پر وہ باتیں صفحات تاریخ پر محفوظ ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ **وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ** ۔ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ - وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ

یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بہت سے رسُل اس کے پیچھے آئے پھر کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اس کو انجیل دی اور اس کے تابعین کے دلوں میں رحمت اور شفقت رکھدی یعنی وہ تلوار سے نہیں بلکہ اپنی تواضع اور فروتنی اور اخلاق سے دعوت دین کرتے تھے اس آیت میں اشارہ یہ ہے کہ موسوی شریعت اگرچہ جلالی تھی اور لاکھوں خون اُس شریعت کے حکم سے ہوئے یہانتک کہ چار لاکھ کے قریب بچہ شیر خوارہ بھی مارا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس سلسلہ کا خاتمہ رحمت پر کرے اور انہیں میں سے ایسی قوم پیدا کرے کہ وہ تلوار سے نہیں بلکہ علم اور خلق سے اور محض اپنی قوت قدسیہ کے زور سے بنی آدم راہ راست پر لاویں۔

اب چونکہ **مماثلت فی الانعامات** ہونا از بس ضروری ہے اور مماثلت تامہ تب ہی متحقق ہو سکتی تھی کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو پس اسی لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریباً چودہ سو برس تک ایسے خدام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسول اور ملہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسول پر ہوا جس نے تلوار سے نہیں بلکہ فقط رحمت اور خلق سے حق کی طرف دعوت کی کہ اسیطرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ خدام شریعت عطا کئے گئے جو بر طبق حدیث عُلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ملہم اور محدث تھے اور جسطرح

موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام ہی بھیجے گئے جنہوں نے نہ تلوار سے بلکہ صرف خلق
اور رحمت سے دعوت حق کی اسی طرح خدا تعالےٰ نے اس شریعت کیلئے مسیح موعود کو بھیجا تا وہ بھی صرف
خلق اور رحمت اور انوار آسمانی سے راہ راست کی دعوت کرے اور جسطرح حضرت مسیح حضرت
موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر ظہور
کیا اور محمدی سلسلہ سے موسوی سلسلہ سے انطباق کلی پایا گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں توحمایت
دین کیلئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدث
ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالےٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل
رکھا اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ آیا ہے اور یہ
نہیں آیا کہ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالْاَنْبِیَآءِ پس یہ اسی بات کیطرف اشارہ ہے کہ رسل سے مراد مرسل
ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں چونکہ ہمارے سید و رسول صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا
ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث
رکھے گئے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ چونکہ ثلہ
کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے اس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اس امت کے محدث
اپنی تعداد میں اور اپنی طوالی سلسلہ میں موسوی امت کے رسولوں کے برابر ہیں اور درحقیقت اسی کیطرف اس
دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے ✚

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا
اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ
لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا یعنی
خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ انہیں
زمین میں اسی طرح خلیفہ کریگا جیسا کہ اُن لوگوں کو کیا جو ان سے پہلے گذر گئے اور ان کے دین کو جو انکے لئے
پسند کیا ہے ثابت کر دے گا اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کو بدل دیگا میری عبادت کرینگے

میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے الجزو ۱۸ سورۃ نور۔ اب غور سے دیکھو کہ اس آیت میں بھی مماثلت کیطرف صریح اشارہ ہے اور اگر اس مماثلت سے مماثلت تامہ مراد نہیں تو کلام عبث ہوا جاتا ہے کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتد رہا نہ صرف تیس برس تک اور صدہا خلیفے سوحانی اور ظاہری طور پر ہوئے نہ صرف چار اور ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ منکم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ خلیفے صرف صحابہ میں سے ہوں کیونکہ منکم کے لفظ میں مخاطب صرف صحابہ ہیں تو یہ خیال ایک بدیہی غلطی ہے اور ایسی بات صرف اس شخص کے مونہہ سے نکلے گی جس نے کبھی قرآن کریم کو غور سے نہیں پڑھا اور نہ اس کی اسلوب کلام کو سمجھا ہے کیونکہ اگر یہی بات صحیح ہے کہ مخاطبت کے وقت وہی لوگ مراد ہوتے ہیں جو موجودہ زمانہ میں بحیثیت ایماندار ی زندہ موجود ہوں تو ایسا تجویز کرنے سے سارا قرآن زیر و زبر ہو جائیگا مثلاً اسی آیت موصوفہ بالا کے مشابہ قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی ہے جس میں اسی طرح بظاہر الفاظ وہ لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے اور اسوقت زندہ موجود تھے بلکہ ان آیات میں تو اس بات پر نہایت قوی قرائن موجود ہیں کہ درحقیقت وہی مخاطب کئے گئے ہیں اور وہ آیات یہ ہیں قال سنقتل ابناءھم ونستحیی نساءھم وانا فوقھم قاھرون قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا۔ ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا۔ قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ الجزو ۹ سورۃ الاعراف یعنی فرعون نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرینگے اور انکی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور تحقیقاً ہم انپر غالب ہیں۔ تب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو زمین خدا کی ہے جسکو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے تب موسیٰ کی قوم نے اسکو جوابدیا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے جاتے تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ستائے گئے تو موسیٰ نے انکے جواب

مین کہا کہ قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور زمین پر تمہین خلیفہ مقرر کردے اور پہر دیکہے کہ تم کس طور کے کام کرتے ہو۔

اب ان آیات مین صریح اور صاف طور پر وہی لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسٰی کی قوم مین انکے سامنے زندہ موجود تہے اور انہون نے فرعون کے ظلمون کا شکوہ بھی کیا تہا اور کہا تہا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے گئے اور تیرے آنیکے بعد بھی اور انہیں کو خطاب کر کے کہا تہا کہ تم ان تکلیفات پر صبر کرو خدا تمہاری طرف رحمت کیساتھ متوجہ ہوگا اور تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیگا اور تمکو زمین پر خلیفہ بنادیگا لیکن تاریخ دانون پر ظاہر ہے اور یہودیون اور نصاریٰ کی کتابون کو دیکہنے والے بخوبی جانتے ہین کہ گو اس قوم کا دشمن یعنی فرعون انکے سامنے ہلاک ہوا مگر وہ خود تو زمین پر نہ ظاہری خلافت پر پہونچے نہ باطنی خلافت پر بلکہ اکثر انکی نافرمانیون سے ہلاک کئے گئے اور چالیس برس تک بیابان لق و دق مین آوارہ رہکر جان بحق تسلیم ہوئے پہر بعد اُن کی ہلاکت کے ان کی اولاد مین ایسا سلسلہ خلافت کا شروع ہوا کہ بہت سے بادشاہ اس قوم مین ہوئے اور داؤد اور سلیمان جیسے خلیفۃ اللہ اسی قوم مین سے پیدا ہوئے یہانتک کہ آخر یہ سلسلہ خلافت کا چودہوین صدی مین حضرت مسیح پر ختم ہوا پس اس سے ظاہر ہے کہ کسی قوم موجودہ کو مخاطب کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطاب قوم موجودہ تک ہی محدود ہے بلکہ قرآن کریم کا تو یہہ بھی محاورہ پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات ایک قوم کو مخاطب کرتا ہے مگر اصل مخاطب کوئی اور لوگ ہوتے ہین جو گذر گئے یا آئندہ آنیوالے ہیں مثلاً اللہ جل شانہ سورۃ البقر مین یہود موجودہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعہدی اوف بعہدکم وایای فارہبون یعنے اے بنی اسرائیل اس نعمت کو یاد کرو جو ہمنے تمپر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو تا مین بھی تمہارے عہد کو پورا کرون اور مجھ سے پس ڈرو اب ظاہر ہے کہ یہود موجودہ زمانہ آنحضرت تو صرف علیہم الذلۃ کا مصداق تہے اُنپر تو کوئی انعام بھی نہیں ہوا تھا اور نہ اُنسے یہ عہد ہوا تھا کہ تم نے خاتم الانبیاء پر ایمان لانا پہر بعد اس کے فرمایا واذ نجینکم من ال فرعون یسومونکم سوء

الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ اَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہمنے تمکو آل فرعون سے نجات دی وہ تمکو طرح طرح کے دکھہ دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں خدا تعالیٰ کیطرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہمنے تمہارے پہنچنے کے ساتھ دریا کو پھاڑ دیا پھر ہمنے تمکو نجات دیدی اور فرعون کے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور تم دیکھتے تھے۔

اب سوچنا چاہیے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقع بھی ان یہودیوں کو پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ میں موجود تھے نہ وہ فرعون کے ہاتھ سے دکھہ دیئے گئے نہ اُن کی بیٹوں کو کسی نے قتل کیا نہ وہ کسی دریا سے پار کیے گئے۔ پھر آگے فرماتا ہے وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنے وہ وقت یاد کرو جب تمنے موسیٰ کو کہا کہ ہم تیرے کہنے پر تو ایمان نہیں لائینگے جب تک خدا کو بچشم خود نہ دیکھہ لیں۔ تب تم پر صاعقہ پڑی اور پھر تمکو زندہ کیا گیا تاکہ تم شکر کرو اور ہمنے بادلوں کو تمپر سائبان کیا اور ہمنے تمپر من سلویٰ اُتارا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ تو ان یہودیوں سے جو قرآن میں مخاطب کیے گئے دو ہزار برس پہلے فوت ہو چکے تھے اور ان کا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا پھر وہ حضرت موسیٰ سے ایسا سوال کیونکر کر سکتے تھے کہاں انپر بجلی گری کہاں انہوں نے من وسلویٰ کہایا۔ کیا وہ پہلے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اور دوسرے قالبوں میں موجود تھے اور پھر آنحضرت کے زمانہ میں بھی بطور تناسخ آموجود ہوئے اور اگر یہ نہیں تو بجز اس تاویل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مخاطبت کے وقت ضروری نہیں کہ وہی لوگ حقیقی طور پر واقعات منسوبہ کے مصداق ہوں جو مخاطب ہوں کلام الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ایک قاعدہ ٹھہر گیا ہے کہ بسا اوقات کوئی واقعہ ایک شخص یا ایک قوم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اور دراصل وہ واقعہ کسی دوسری قوم

یا دوسرے شخص سے تعلق رکھتا ہے اور اسی باب میں مسیح عیسیٰ بن مریم کے آنیکی خبر ہے کیونکہ بعض احادیث میں آخری زمانہ میں آنیکا ایک واقعہ حضرت عیسیٰ کیطرف منسوب کیا گیا حالانکہ وہ فوت ہو چکے تھے یہ بھی واقعہ بھی حضرت مسیح کی طرف منسوب ہے جیساکہ واقعہ فرعون کے ہاتھ سے نجات پانیکا اور من و سلوےٰ کہانے کا اور صاعقہ گرنے کا اور دریا سے پار ہونے اور قصہ لن نصبر علیٰ طعام واحد کا اُن یہودیون کی طرف منسوب کیا گیا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مین موجود تھے حالانکہ وہ واقعات انکی پہلی قوم کے تھے ۔ جو اُن سے صدہا برس پہلے مرچکے تھے ۔ پس اگر کسیکو آیات کے معنے کرنے مین تو معقول شق کیطرف خیال نہ ہو اور ظاہر الفاظ پر اڑ جانا واجب سمجھے تو کم سے کم ان آیات سے یہ ثابت ہوگا کہ مسئلہ تناسخ حق ہے ورنہ کیونکر ممکن تہا کہ خدا تعالےٰ ایک فاعل کے فعل کو کسی ایسے شخص کیطرف منسوب کرے جسکو اس فعل کے ارتکاب سے کچھہ بھی تعلق نہیں حالانکہ وہ آپ ہی فرماتا ہے لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ پہر اگر موسیٰ کی قوم نے موسےٰ کی نافرمانی کی تھی اور انپر بجلی گری تہی یا انہوں نے گوسالہ پرستی کی تہی اور انپر عذاب نازل ہوا تھا تو اُس دوسری قوم کو ان واقعات سے کیا تعلق تہا جو دو ہزار برس بعد پیدا ہوئے یون تو حضرت آدم سے تا این دم متقدمین متاخرین کے لئے بطور اباو اجداد ہین لیکن کسی کا گناہ کسی پر عاید نہیں ہو سکتا پہر خدا تعالےٰ کا قرآن کریم میں یہ فرمانا کہ تمنے موسےٰ کی نافرمانی کی اور تمنے کہا کہ ہم خدا کو نہیں مانینگے جبتک اسکو دیکھہ نہ لیں اور اس گنہ کے سبب سے تمپر بجلی گری کیونکر ان تمام الفاظ کے بنظر ظاہر کوئی اور معنی ہو سکتے ہین بجز اسکے کہ کہا جاوے کہ در اصل وہ تمام یہودی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مین موجود تھے حضرت موسیٰ کے وقت مین بہی موجود تہے اور انہیں پر من و سلوےٰ نازل ہوا تہا اور انہیں پر بجلی گری تھی اور انہیں کی خاطر فرعون کو ہلاک کیا گیا تھا اور پہر وہی یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین بطور تناسخ پیدا ہو گئے اور اس طرح پر خطاب صحیح ٹہر گیا مگر سوال یہ ہے کہ کیون ایسے سیدہے سیدہے معنی نہیں کئے جاتے کیا یہ خدا تعالےٰ کی قدرت سے دور ہین اور کیون ایسے معنی قبول کئے جاتے ہین جو تاویلات بعیدہ کی حکم مین ہین کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ جسطرح بقول

ہمارے مخالفون کے وہ حضرت عیسیٰ کو بعینہ بجسدہ العنصری کسیوقت صدہا برسوں کے بعد پھر زمین پر لے آئیگا اسی طرح اس نے حضرت موسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت مین زندہ کر دیا ہو یا ان کی روحوں کو بطور تناسخ پھر دنیا مین لے آیا ہو جس حالت مین صرف بے بنیاد اقوال کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ کی روح کا پھر دنیا مین آنا تسلیم کیا گیا ہے تو کیون اور کیا وجہ کہ ان تمام یہودیون کی روحوں کا دوبارہ بطور تناسخ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت مین آجانا قبول نہ کیا جائے جن کے موجود ہو جانے پر نصوص صریحہ بینہ قرآن کریم شاہد ہین دیکھو خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ یعنی تم وہ وقت یاد کرو جبکہ تمنے نے کسی اور سے یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر تو ایمان نہیں لائینگے جبتک ہم آپ ظاہر ظاہر خدا کو نہ دیکھ لین اور پھر تمکو بجلی نے پکڑا اور تم دیکھتے تھے۔ اور اس آیت مین ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالےٰ نے اس آیت کے مضمون مین موجودہ یہودیون کو گذشتہ لوگوں کے قائم مقام نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ان کو فی الحقیقت گذشتہ لوگ ہی ٹھہرا دیا تو اس صورت مین قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہودیوں کے وہی نام رکھدیے جو ان گذشتہ بنی اسرائیل کے نام تھے کیونکہ جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہی لوگ قرار دیے گئے تو یہ لازمی ہوا کہ نام بھی وہی ہون وجہ یہ کہ نام حقایق کیلئے مثل عوارض غیر منفک کے ہین اور عوارض لازمیہ اپنی حقایق سے الگ نہیں ہو سکتے اب خوب متوجہ ہو کر سوچو کہ جبکہ خدا تعالےٰ نے صریح اور صاف لفظون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمنے ہی ایسے ایسے برے کام حضرت موسیٰ کے عہد مین کئے تھے تو پھر ایسی صریح اور کھلی کھلی نص کی تاویل کرنا اور احادیث کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو قرآن کریم کی رو سے وفات یافتہ ہے پھر زمین پر اتارنا کیسی اعتدال سے نا انصافی ہے عزیزو اگر خدا تعالےٰ کی یہی عادت اور سنت ہے کہ گذشتہ لوگون کو پھر دنیا مین لے آتا ہے تو نص قرآنی جو بتکرار ذکر گذشتہ لوگوں کو مخاطب کر کے ان کے زندہ ہونے کی شہادت دیرہی ہے اس سے درگذر کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر وہاں یہ ڈھرکا دل کو پکڑتا ہے کہ ایسے معنی

گو خدا تعالیٰ کی قدرت سے تو بعید نہیں لیکن معقول کے برخلاف ہیں اس لئے تاویل کی طرف رخ کیا جاتا ہے اور وہ معنے کئے جاتے ہیں جو عند العقل کچھ بعید نہیں ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت عیسیٰ کے آنے کی پیشگوئی کے معنے کرنے چاہیئے کیونکہ اگر گذشتہ یہودیوں کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زندہ ہو جانا یا اگر بطریق تناسخ کے ان کی روحیں پھر آجانا طریق معقول کے برخلاف ہے تو حضرت مسیح کی نسبت کیونکر دوبارہ دنیا میں آنا تجویز کیا جاتا ہے جن کی وفات پر آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کیا یہودیوں کی روحوں دوبارہ دنیا میں آنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید اور نیز طریق معقول کے برخلاف لیکن حضرت عیسیٰ کا بجسدہ العنصری پھر زمین پر آجانا بہت معقول ہے پھر اگر نصوص بیّنہ صریحہ قرآنیہ کو بباعث استبعاد ظاہری معنوں کو مؤول کر کے طریق صرف عن الظاہر اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ نصوص حدیثیہ کا صرف عن الظاہر جائز نہیں کیا احادیث کی قرآن کریم سے کوئی اعلیٰ شان ہے کہ تا ہمیشہ احادیث کی بیان کو گو کیسا ہی بعید از عقل ہو ظاہر الفاظ پر قبول کیا جائے اور قرآن میں تاویلات بھی کی جائیں

پھر ہم اصل کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ بعض صاحب آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم کی عمومیت سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ منکم سے صحابہ ہی مراد ہیں اور خلافت راشدہ حقہ انہیں کے زمانہ تک ختم ہو گئی اور پھر قیامت تک اسلام میں اس خلافت کا نام و نشان نہیں ہوگا گویا ایک خواب و خیال کی طرح اس خلافت کا صرف تیس برس ہی دور تھا اور پھر ہمیشہ کیلئے اسلام ایک لازوال نحوست میں پڑ گیا مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی نیک دل انسان کی ایسی رائے ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو یہ اعتقاد رکھے کہ بلاشبہ ان کی شریعت کی برکت اور خلافت راشدہ کا زمانہ برابر چودہ سو برس تک رہا لیکن وہ نبی جو افضل الرسل اور خیر الانبیاء کہلاتا ہے اور جس کی شریعت کا دامن قیامت تک ممتد ہے اس کی برکات گویا اس کے زمانہ تک ہی محدود رہیں اور خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ کچھ بہت مدت تک اس کی برکات کے

ہو نے اس کی روحانی خلیفوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوں ایسی باتوں کو سنکر تو ہمارا بدن کانپ جاتا ہے مگر افسوس کہ وہ لوگ بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں کہ جو سراسر چالاکی اور بیباکی کی راہ سے ایسے بے ادبانہ الفاظ مونہہ پر لے آتے ہیں کہ گویا اسلام کے برکات آگے نہیں بلکہ مدت ہوئی کہ ان کا خاتمہ ہوچکا ہے۔

ماسوا اس کے منکم کے لفظ سے یہ استدلال پیدا کرنا کہ چونکہ خطاب صحابہ سے ہے اسلئے یہ خلافت صحابہ تک ہی محدود ہے عجیب عقلمندی ہے اگر اسی طرح قران کی تفسیر ہو تو پھر یہودیوں سے آگے بڑھ کر قدم رکھنا ہے۔ اب واضح ہو کہ منکم کا لفظ قرآن کریم میں قریباً بیاسی جگہ آیا ہے اور بجز دو یا تین جگہ کے جہاں کوئی خاص قرینہ قایم کیا گیا ہے باقی تمام مواضع میں منکم کے خطاب سے وہ تمام مسلمان مراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہینگے۔

اب نمونہ کے طور پر چند وہ آیتیں ہم لکھتے ہیں جنمیں منکم کا لفظ پایا جاتا ہے۔

(۱) فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یعنے جو تم میں مریض یا سفر پر ہو تو اتنے ہی روزے اور رکھے۔ اب سوچو کہ کیا یہ حکم صحابہ سے خاص تھا یا اس میں اور بھی مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہینگے شامل ہیں ایسا ہی نحو کی آیتوں پر بھی غور کرو

(۲) ذلک یوعظ بہ من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر یعنی یہ اس کو وعظ کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

(۳) والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا۔ یعنی تم میں سے جو جوروئیں چھوڑ کر فوت ہو جائیں۔

(۴) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر یعنی تم سے ایسے لوگ ہونے چاہییے جو نیکی کی دعوت کریں اور امر معروف اور نہی منکر اپنا طریق رکھیں۔

(۵) انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی یعنی تم میں سے کسی عامل کا عمل ضائع

ہنین کرونگا خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔

(۶) لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔
ناجائز طور پر ایکدوسرے کے مال مت کھاؤ مگر باہم رضامندی کی تجارت سے۔

(۷) وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا۔ یعنے اگر تم مریض ہو یا سفر پر یا پاخانہ سے آؤ یا عورتون سے مباشرت کرو اور پانی نہ ملے تو ان سب صورتون مین پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

(۸) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہون کی تابعداری کرو۔

(۹) من عمل منکم سوءا بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم۔ یعنے جو شخص تم مین سے بوجہ اپنی جہالت کے کوئی بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور نیک کامون مین مشغول ہو جائے۔ پس اللہ غفور رحیم ہے۔

(۱۰) فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب۔ یعنے جو شخص تم سے ایسا کام کرے دنیا کی زندگی مین اس کو رسوائی ہوگی اور قیامت کو اس کیلئے سخت عذاب ہے۔

(۱۱) وان منکم الا واردھا یعنے تم مین سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوزخ مین وارد نہ ہو۔

(۱۲) ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین۔ یعنی ہم ان لوگون کو جانتے ہین جو تم مین سے آگے بڑھنے والے ہین اور جو پیچھے رہنے والے ہین۔

اب ان تمام مقامات کو دیکھو کہ منکم کا لفظ تمام مسلمانون کے لئے عام ہے خواہ اسوقت موجود تھے خواہ بعد مین قیامت تک آتے جائیں ایسا ہی تمام دوسرے مقامات میں بجز دو تین موضعون کے عام طور پر استعمال ہوا ہے اور تمام احکام مین بظاہر صورت مخاطب صحابہ ہی ہین لیکن

تخصیص صحابہ بجز قیام قرینہ کے جائز نہیں ورنہ ہر یک فاسق عذر کر سکتا ہے کہ صوم اور صلوٰۃ اور حج اور تقوےٰ اور طہارت اور اجتناب عن المعاصی کے متعلق جسقدر احکام ہیں ان احکام کے مخاطب صرف صحابہ ہی تھے اس لئے ہمیں نماز روزہ وغیرہ کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے کلمات بجز ایک زندیق کے اور کوئی خدا ترس آدمی زبان پر نہیں لا سکتا۔

اگر کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ اگر آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا فائدہ عموم کا دیتی ہے یعنے مقصود اصلی تعمیم تھی نہ تخصیص تو پھر منکم کا لفظ اس جگہ کیوں زیادہ کیا گیا اور اس کی زیادت کی ضرورت ہی کیا تھی صرف اسقدر فرمایا ہوتا کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ ان ایمانداروں اور نیکوکاروں کے مقابل پر تھا جو اس امت سے پہلے گذر چکے ہیں پس گویا تفصیل اس آیت کی یوں ہے کہ خدا تعالےٰ نے تم سے پہلے ان لوگوں کو روئے زمین پر خلیفے مقرر کیا تھا جو ایماندار اور صالح تھے اور اپنے ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے تھے اور خدا تعالےٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے بھی اے مسلمانو ایسے لوگوں کو جو انہیں صفات حسنہ سے موصوف ہوں اور ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے ہوں خلیفہ کرے گا پس منکم کا لفظ زاید نہیں بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ تا اسلام کے ایمانداروں اور نیکوں کاروں کی طرف اشارہ کرے کیونکہ جب کہ نیکوکار اور ایماندار کا لفظ اس آیت میں پہلی امتوں اور اس امت کے ایمانداروں اور نیکوکاروں کے برابر حاوی تھا پھر اگر کوئی تخصیص کا لفظ نہ ہوتا تو عبارت رکیک اور مبہم اور دور از فصاحت ہوتی اور منکم کے لفظ سے یہ جتانا بھی منظور ہے کہ پہلے بھی وہی لوگ خلیفے مقرر کئے گئے تھے کہ جو ایماندار اور نیکوکار تھے اور تم میں بھی ایماندار اور نیکوکار ہی مقرر کئے جائینگے اب اگر آنکھیں دیکھنے کی ہوں تو عام معنی کی رو سے منکم کے لفظ کا زاید ہونا کہاں لازم آتا ہے اور تکرار کلام کیونکر ہے جبکہ ایمان اور عمل صالح اسی امت سے شروع نہیں ہوا پہلے بھی مومن اور نیکوکار گذرے ہیں تو اس صورت میں تمیز کامل بجز منکم کے لفظ کے کیونکر ہو سکتی تھی اگر صرف اس قدر ہوتا کہ وعد اللہ الذین

آمنوا وعملوا الصالحت تو کچھ نہ معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ کن ایمانداروں کا ذکر ہے آیا اس امت کے ایماندار یا گذشتہ امتوں کے اور اگر صرف منکم ہوتا اور الذین آمنوا وعملوا الصالحات نہ ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فاسق اور بدکار لوگ بھی خدا تعالےٰ کے خلیفے ہو سکتے ہیں حالانکہ فاسقوں کی بادشاہت اور حکومت بطور ابتلا کے ہے نہ بطور اصطفا کے اور خدا تعالےٰ کے حقانی خلیفے خواہ وہ روحانی خلیفے ہوں یا ظاہری وہی لوگ ہیں جو متقی اور ایماندار اور نیکوکار ہیں

اور یہ وہم کہ عام معنوں کی رو سے ان آیات کی آخیر کی آیت یعنے ومن کفر بعد ذالك فاولئك هم الفاسقون بالکل بے معنی ٹھہر جاتی ہے ایسا بیہودہ خیال ہے جو اس پر ہنسی آتی ہے کیونکہ آیت کے صاف اور سیدھے یہ معنی ہیں کہ اللہ جل شانہ خلیفوں کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیکر پھر باغیوں اور نافرمانوں کو دھمکی دیتا ہے کہ بعد خلیفوں کی پیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور ان کی اطاعت اور بیعت سے موہنہ پھیرے تو وہ فاسق ہے اب نادرستی معنوں کی کہاں ہے اور واضح ہو کہ اس آیت کریمہ سے وہ حدیث مطابق ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاهلیة جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ جاہلیت کی موت پر مر گیا یعنے جیسی جیسی ہر یک زمانہ میں امام پیدا ہونگے اور جو لوگ انکو شناخت نہیں کرینگے تو ان کی موت کفار کی موت کے مشابہ ہوگی اور معترض صاحب کا اس آیت کو پیش کرنا کہ قال اللہ انی منزلها علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبه عذابا لا اعذبه احدا من العالمین اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ منکم کا لفظ اس جگہ خصوصیت کیساتھ حاضرین کے حق میں آیا ہے ایک بیفائدہ بات ہے کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا عام محاورہ جس سے تمام قرآن بھرا پڑا ہے یہی ہے کہ خطاب عام ہوتا ہے اور احکام خطابیہ تمام امت کیلئے ہوتے ہیں نہ صرف صحابہ کیلئے ہاں جس جگہ کوئی صریح اور صاف قرینہ تحدید خطاب کا ہو وہ جگہ مستثنےٰ ہے چنانچہ آیات موصوفہ بالا میں خاص حواریوں کے ایک طائفہ نے نزول مائدہ کی درخواست کی اسی طائفہ کو مخاطب کر کے جواب ملا۔ سو یہ قرینہ کافی ہے کہ سوال بھی اسی طائفہ کا تھا اور جواب بھی اسی کو ملا اور یہ کہنا کہ اس کی مثالیں کثرت سے قرآن

میں ہیں بالکل جہوٹ اور دہوکہ دینا ہے قرآن میں بیاسی کے قریب لفظ منکم ہے اور چہہ سو کے قریب
اور اور صورتوں میں خطاب ہے لیکن تمام خطابات احکامیہ وغیرہ میں تعمیم ہے اگر قرآن کے خطابات
صحابہ تک ہی محدود ہوتے تو صحابہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ قرآن باطل ہو جاتا اور آیت متنازعہ
فیہا جو خلافت کے متعلق ہے درحقیقت اس آیت سے مشابہ ہے لَكُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ کیا یہ بشریٰ
صحابہ سے ہی خاص تھا یا کسی اور کو بھی اس سے حصہ ہے۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ جو شخص اصلی معنوں سے جو خصوصیت
مخاطبین ہے عدول کر کے اس کے معنی عموم لیوے اس کا ذمہ ہے کہ وہ دلیل یقینی سے اپنے عدول کو ثابت کرے اس
سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف معترض کو قرآن کریم سے بلکہ تمام الہی کتابوں کے اسلوب کلام سے کچھ بھی خبر
نہیں مشکل یہ ہے کہ اگر شتاب کار لوگ قبل اس کے جو پورے طور پر خوض کریں اعتراض کرنے کو طیار ہو جاتے ہیں
اگر معترض صاحب کو صحیح نیت سے تحقیق کا شوق تہا تو وہ تمام ایسے موقع جہاں بظاہر نظر صحابہ مخاطب ہیں۔
جمع کر کے دیکھتے کہ اکثر اغلب اور بلا قیام قرینہ قرآن شریف میں کیا محاورہ ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جو اکثر اغلب
محاورہ ثابت ہوگا اسی کے موافق اصلی معنی ٹہرینگے اور ان سے عدول کرنا بغیر قیام قرینہ جائز نہیں ہوگا اب ظاہر ہو
کہ اصل محاورہ قرآن کریم کا خطاب حاضرین میں عموم ہے اور قرآن کا چہہ سو حکم اسی بنا پر عام سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ
صحابہ تک محدود سمجھا جاوے پہر جو شخص عام محاورہ سے عدول کر کے کسی حکم کو صحابہ تک ہی محدود رکھے اس کے ذمہ یہ
بار ثبوت ہوگا کہ قرائن قویہ سے یہ ثابت کرے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہی خاص ہے اور دوسرے لوگ اس سے باہر ہیں مثلاً
اللہ جلشانہ قرآن کریم میں بظاہر صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم صرف خدا کی بندگی کرو۔ اور صبر[۲] اور صلوٰۃ کیساتھ
مدد چاہو۔ اور پاک چیزوں میں سے کہاؤ۔ اور کسی قسم کا فساد مت کرو۔ اور تم زکوٰۃ[۳] اور نماز کو قائم کرو۔ اور مقام ابراہیم
سے جائے نماز ٹہراؤ۔ اور خیرات[۵] میں ایکدوسرے سے سبقت کرو۔ اور مجہہ کو یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا۔ اور میرا
شکر کرو۔ اور مجہہ سے دعا مانگو۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں انکو مردے مت کہو اور جو تم کو سلام
علیکم کرے اس کا نام کافر و بے ایمان نہ رکہو۔ پاک[۱۴] چیزیں زمین کی پیداوار میں سے کہاؤ اور شیطان کی
[۱۵] پیروی نہ کرو۔ تم پر[۱۶] روزے فرض کئے گئے ہیں۔ مگر جو تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو وہ اتنے روزے[۱۷] پہر رکہے تم ایکدوسری
کے مال[۱۸] کو ناحق کہیطور پر مت کہاؤ۔ اور تم تقوے[۱۹] اختیار کرو تا فلاح پاؤ۔ اور تم خدا کی راہ[۲۰] میں انسے

جو تم سے لڑین لڑو لیکن حد سے مت بڑھو اور کوئی زیادتی مت کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا - اور تم خدا کی راہ مین خرچ کرو اور دانستہ اپنے تئین ہلاکت مین مت ڈالو - اور لوگون سے احسان کرو کہ خدا محسنین کو دوست رکھتا ہے اور حج اور عمرہ کو اللہ کیواسطے پورا کرو - اور اپنے پاس توشہ رکھو کہ توشہ مین فائدہ ہے کہ تم کسی دوسرے سے سوال نہین کروگے یعنی سوال ایک ذلت ہے اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہیے - اور تم صلح اور اسلام مین داخل ہو - اور مشرکات سے نکاح مت کرو جبتک ایمان نہ لاوین - اور مشرکین سے اے عورتو تم نکاح مت کرو جبتک ایمان نہ لاوین اور اپنے نفسون کیلئے کچھہ آگے بھیجو - اور خدا تعالے کو اپنی قسمون کا عرضہ مت بناؤ اور عورتون کو دکھہ دینے کی غرض سے بند مت رکھو اور جو لوگ تم مین سے فوت ہو جائین اور جورویں رہجائین تو وہ چار مہینے اور دس دن نکاح کرنیسے رکی رہین - اگر تم طلاق دو تو عورتوں کو احسان کے ساتھہ رخصت کرو - اگر تمہین خوف ہو تو نماز پیرون سے چلتے چلتے یا سوار ہونے کی حالت مین پڑھ لو - اگر اپنے صدقات لوگون کو دکھلا کے دو تو یہہ عموماً اچھی بات ہے کہ تا لوگ تمہارے نیک کامون کی پیروی کرین اور اگر چھپا کر محتاجون کو دو تو یہہ تمہارے نفسون کیلئے بہتر ہے جب تم کسی کو قرضہ دو تو ایک نوشت لکھا لو اور قرض ادا کرنے مین خدا سے ڈرو اور کچھہ باقی مت رکھو اور جب تم کوئی خرید و فروخت کرو تو اسپر گواہ رکھ لو - اور اگر تم سفر مین ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو کوئی جائداد قبضہ مین کر لو - تم سب ملکر خدا کی رسی سے پنجہ مارو اور باہم پھوٹ مت ڈالو - تم مین سے ایسے بھی ہونے چاہیئے کہ جو امر معروف اور نہی منکر کرین - تم خدا کی مغفرت کیطرف دوڑو - اور اگر تم مین سے کسی کی بیوی فوت ہو جاوے تو وہ اس کی جائداد مین سے نصف کا مالک ہے بشرطیکہ اس کی کچھہ اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو پھر اس کو چہارم حصہ جائداد بعد عمل بر وصیت پہنچیگا -

یہ چند احکام بطور نمونہ ہم نے لکھے ہین اس مین ایک تھوڑی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ بظاہر یہ تمام خطاب صحابہ کیطرف ہے لیکن درحقیقت تمام مسلمان ان احکام پر عمل کرنیکے لئے مامور ہین نہ یہ کہ صرف صحابہ مامور ہین - وبس غرض قرآن کا اصلی اور حقیقی اسلوب جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے یہ ہے کہ اسکے خطاب کے مورد حقیقی اور واقعی طور پر وہ مسلمان ہین جو قیامت تک پیدا

ہوتے ہیں گو بظاہر صورت خطاب صحابہ کیطرف راجع ہوتا ہے پس جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ وعدہ یا وعید صحابہ تک ہی محدود ہے وہ قرآن کے عام محاورہ سے عدول کرتا ہے اور جبتک پورا ثبوت اس دعوے کا پیش نہ کرے تب تک وہ ایسے طریق کے اختیار کرنے میں ایک ملحد ہے کیا قرآن صرف صحابہ کے واسطے ہی نازل ہوا تھا۔ اگر قرآن کے وعدہ اور وعید اور تمام احکام صحابہ تک ہی محدود ہیں تو گویا جو بعد میں پیدا ہوئے وہ قرآن سے بکلی بے تعلق ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

اور یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خلافت تیس سال تک ہوگی عجیب فہم ہے جس حالت میں قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین تو پھر اس کے مقابل پر کوئی حدیث پیش کرنا اور اس کے معنے مخالف قرآن قرار دینا معلوم نہیں کہ کس قسم کی سمجھ ہے اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جنمیں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ ہذا خلیفۃ اللہ المہدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ لیکن وہ حدیث جو معترض صاحب نے پیش کی علماء کو اس میں کئی طرح کا جرح ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے کیا معترض نے غور نہیں کی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت بعض خلیفوں کی ظہور کی خبریں دیگئی ہیں کہ حارث آئیگا۔ مہدی آئیگا۔ آسمانی خلیفہ آئے گا یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زمانے تین ہیں اول خلافت راشدہ کا زمانہ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہونگے اور بعد اس کے آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہوگا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا اول زمانہ اور پچھلا آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں اور یہ دونوں زمانے اس بارش کیطرح ہیں جو ایسی خیر اور برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اس کی پہلے حصہ میں سے زیادہ ہے یا پچھلے میں۔

اسجگہ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنی ہم ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کرینگے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام

ہمیشہ زندہ رہیگا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اس کی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت سے ظاہر ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولًا منھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اِس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جنکو پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقایق قرآن دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسیقدر نہیں جو اس کی صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہانتک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرانی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جنمیں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جنکو وہ تمام برکات دیگئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں جیسا کہ اِن ایات میں اسی امر عظیم کیطرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات.... لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنًا یعبدوننی لایشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون۔

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کیلئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظت قرآن کیونکر اور کسطور سے ہوگی سو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا اور خلیفہ کے لفظ کو اس اشارہ کے لئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کریم کے جانشین ہونگے اور اس کی برکتوں میں سے حصہ پائینگے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا اور ان کے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئینگے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا پھر ان کے آنے کے بعد جو اُنسے

سرکش ہے گا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور اُن سے مخالفت کرنیوالے فاسق ہیں۔ اگر مخالفت پر ہی مریں۔

اس جگہ معترض صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالے فرماتا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور پھر اعتراض کیا ہے کہ جب کہ دین کمال کو پہونچ چکا ہے اور نعمت پوری ہو چکی تو پھر نہ کسی مجدد کی ضرورت ہے نہ کسی نبی کی مگر افسوس کہ معترض نے ایسا خیال کر کے خود قرآن کریم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس امت میں خلیفوں کے پیدا ہونے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے وقتوں میں دین استحکام پکڑیگا اور تزلزل اور تذبذب دور ہوگا اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا پھر اگر تکمیل دین کے بعد کوئی بھی کاروائی درست نہیں تو بقول معترض کے جو تیس سال کی خلافت ہے وہ بھی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر کسی دوسرے کی ضرورت نہیں لیکن افسوس کہ معترض بیخبر نے ناحق آیت الیوم اکملت لکم دینکم کو پیش کر دیا ہم کب کہتے ہیں کہ مجدد اور محدث دنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالات فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے تب اس خوبصورت چہرہ کو دکہلانیکے لئے مجدد اور محدث اور روحانی خلیفے آتے ہیں نہ معلوم کہ بیچارہ معترض نے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ مجدد اور روحانی خلیفے دنیا میں آکر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکہانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ اُن کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پرواہ نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کسکو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلونکو اسلام کیطرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے۔ جیساکہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہو اس سے کسیکو انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اور ان کی توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کیلئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت الیوم اکملت لکم ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہو کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دیگئی ہے جسکا نام توریت ہے چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب انکے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا ان کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر انکو توریت کے اصلی منشاء کیطرف کھینچیں اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہوگئی ہو ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں چنانچہ اللہ جلشانہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے ولقد اٰتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل یعنے موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہمنے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تعلیم کی تائید اور تصدیق کریں اسیطرح دوسری جگہ فرماتا ہو۔ ثم ارسلنا رسلنا تترا۔ یعنے پھر پیچھے سے ہمنے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہو کہ وہ اپنی کتاب بھیجکر پھر اس کی تائید اور تصدیق کیلئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دیرہی ہو۔

اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ عہد موکد ہو چکا ہو کہ جو اس کی کسی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ والذین کفروا وکذبوا باٰیاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون یعنے جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہینگے۔

اب جبکہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جبتک انسان کی آنکھ خداداد نور

سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تہا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اسکی کتاب کی معرفت حاصل ہو اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندہے اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کیجائے اور صرف اسپر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بہیجکر پہر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کیوجہ سے جنکو بعد میں آنیوالی زیادہ اس سے سمجہہ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈالدیا جائے اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جسکا نام رحمان اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پہر وہ عربی سمجہہ نہیں سکتے قرآن کی خوبیوں کو دیکہہ نہیں سکتے انکو جہنم میں ڈالدے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اسپر ثابت کیا جائے یونہی بہیڑ بکری کی پہیر دیجائے بس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پاکر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکات لوگوں کو دکہلاویں یہہ بہی یاد رہے کہ ہر یک زمانہ کیلئے اتمام حجت بہی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھہ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جبتک کہ اس کو منظور ہے کہ آثار رشد اور صلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اس کے شاہد ہیں اور مختلف بلاد کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو چہوڑ کر اگر صرف بنی اسرائیل کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں پر ہی نظر ڈالی جائے تو ان کی کتابوں کے دیکہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں یعنے حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزارہا نبی اور محدث انمیں پیدا ہوئے کہ جو خادموں کی طرح کمربستہ ہوکر توریت کی خدمتمیں مصروف رہے چنانچہ ان تمام بیانات پر قرآن شاہد ہے اور بائبل شہادت دے رہی اور وہ نبی کوئی نئی کتاب نہیں لاتے تہے کوئی نیا دین نہیں سکہاتے تہے صرف توریت کے خادم تہے اور جب بنی اسرائیل میں دہریت اور بے ایمانی اور بدچلنی اور سنگدلی پہیل جاتی تہی تو ایسے وقتوں میں وہ ظہور کرتے تہے۔ اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جس حالت میں موسیٰ کی ایک محدود

شریعت کیلئے جو زمین کی تمام قوموں کے لئے ہنیں تہی اور نہ قیامت تک اس کا دامن پہیلا ہوا تہا خدا تعالے نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزارہا نبی اس شریعت کی تجدید کیلئے بہیجے اور بارہا آنے والے نبیوں نے ایسے نشان دکہلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے نئے سرے خدا کو دیکہہ لیا تو پہر یہ امت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر ایسی بدقسمت سمجہی جائے کہ خدا تعالے نے صرف تیئس برس اس کیطرف نظر رحمت کر کے اور آسمانی انوار دکہلا کر پہر اس سے مونہہ پہیر لیا اور پہر اس امت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صدہا برس گذرے اور ہزارہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع اقسام کی دجالیت پہیلی اور ایک جہان نے دین متین پر حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹہرایا گیا لیکن خدا تعالے نے پہر کبہی نظر اٹہا کر اس امت کیطرف نہ دیکہا اور اس کو کبہی اس امت پر رحم نہ آیا اور کبہی اسکو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بہی تو بنی اسرائیل کیطرح انسان ضعیف البنیان ہیں اور یہودیوں کیطرح ان کے پودے بہی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں کیا اس کریم خدا سے ایسا ہو سکتا ہے جس نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کے دور کرنے کے لئے بہیجا تہا کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی امتوں پر تو خدا تعالے کا رحم تہا اس لئے اسنے توریت کو بہیجکر ہزارہا رسول اور محدث توریت کی تائید کیلئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بہیجے لیکن یہ امت مورد غضب تہی اس لئے اس نے قرآن کریم کو نازل کر کے ان سب باتوں کو بہلا دیا اور ہمیشہ کیلئے علماء کو ان کی عقل اور اجتہاد پر چہوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی نسبت تو صاف فرمایا۔ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزاً حکیما۔ یعنی خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور اس کی تائید اور تصدیق کیلئے رسول بہیجے جو مبشر اور منذر تہے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکہکر توریت پر دلی صدق سے ایمان لاویں اور فرمایا ورسلاً قد قصصناھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک یعنی ہمنے بہت سے رسول بہیجے اور بعض کا تو ہمنے ذکر کیا اور بعض کا ذکر بہی ہنیں کیا لیکن دین اسلام کے طالبوں کے لئے وہ انتظام کیا گویا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسیٰ کی قوم پر تہی وہ اس امت پر ہنیں ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ

میں ہو جاتی ہیں اور پھر آنیوالی نسلیں ایک گروہ کو ہریک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ کر آخر گذشتہ معجزات
کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے ہزارہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے
ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس امت کو پیدا ہوگی اور اپنے تئیں بد قسمت پاکر بنی اسرائیل کو رشک کی نگہ
سے دیکھینگے یا ان خیالات میں گرفتار ہو کر انکے قصوں کو بھی صرف افسانجات خیال کرینگے اور یہ قول کہ پہلے
اس سے ہزارہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے اس لئے اس امت کو خوارق اور کرامات اور برکات
کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہذا خدا تعالی نے انکو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں
وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جنکو ایمان کی کچھ بھی پرواہ نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت
ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ
خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے اور اس جگہ
یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں جو اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے
مثلاً اگر کوئی گھر بناوے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت
کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کردیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس
گھر کے نقش ونگار پر گرد وغبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث
اس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ
منع کرنا سراسر حماقت ہے افسوس کہ ایسے اعتراض کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شے دیگر ہے
اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں
کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں
خدا تعالی کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے ومن کفر بعد ذلک فاولئک
ہم الفاسقون یعنے بعد اسکے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص انکا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔
اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسیقدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ
یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اس امت مین فساد اور فتنون کے وقتون مین ایسے مصلح آتے رہین جنکو انبیاء کے کئی کامون مین سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق کیطرف دعوت کرین اور ہر ایک بدعت جو دین سے ملگئی ہو اُسکو دور کرین اور آسمانی روشنی پاکر دین کی صداقت ہر یک پہلو سے لوگوں کو دکہلاوین اور اپنے پاک نمونہ سے لوگون کو سچائی اور محبت اور پاکیزگی کیطرف کہینچین اور وہ دلائل یہ ہین۔

اول ۔ یہ کہ اسبات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الہیات اور امور معاد کے مسائل نہایت باریک اور نظری ہین گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالی کبھی کسیکو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملایک سے ملاقاتین ہوئین اور علاوہ اس کے احکام الہی مخالف جذبات نفس ہین اور نفس امارہ جن باتون مین لذت پاتا ہے احکام الہی اُن سے منع کرتے ہین لہذا بحکم العقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لیکر آتے ہین اور اپنے نفس مین تاثیر اور قوت قدسیہ رکہتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لیکر آوین اور ہمیشہ اور ہر صدی مین ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشین اور اپنے زیر سایہ رکہکر اپنے پر فیض پرون کے نیچے انکو لیکر وہ برکت اور نور اور روحانی معرفت پہنچاوین جو انہون نے ابتدا زمانہ مین پہنچائی تہی اور اگر ایسا نہین تو پہر انکے وارث جو انہیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہون اور کتاب الہی کے دقایق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہون اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ مین دکہلا سکتے ہون اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہون ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں مین ضرور پیدا ہونی چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات و نسیان ہے انکے فیض حقیقی سے محروم نرہے کیونکہ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اس کی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہین تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ مین آجاتے ہین پہر دوسری صدی کے لوگون کی نظر مین اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الہیہ اور خوارق اور معجزات جن سے اُس کی صحت نبوت اور صداقت دعوے پر استدلال ہوتے ہین نئی صدی کے لوگون کو کچہ قصے سے معلوم ہوتے ہین اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے

دیکھنے والون مین ہوتا ہی دوسرون مین وہ بات پائی نہین جاتی اور صاف ظاہر ہے کہ جو کچھہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی صدق دکھلایا اور اپنے مالون اور اپنی جانون اور اپنی آبرؤن کو اسلام کی راہون مین نہایت اخلاص سے قربان کیا اس کا نمونہ اور صدیون مین تو کجا خود دوسری صدی کے لوگون یعنے تابعین مین بہی نہین پایا گیا اس کی کیا وجہ تھی ؟ یہی تو تہی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مرد صادق کا موہنہ دیکہا تھا جس کے عاشق اللہ ہونے کی گواہی کفار قریش کے موہنہ سے بہی بیساختہ نکل گئی اور روز کی مناجاتون اور پیار کے سجدون کو دیکھکر اور فنافی الاطاعت کی حالت اور کمال محبت اور دلدادگی کے موہنہ پر روشن نشانیان اور اس پاک موہنہ پر نور الہی برستا مشاہدہ کرکے کہتے تہے کہ عشق محمد علی ربہ کہ محمد اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہی - اور پھر صحابہ نے صرف وہ صدق اور محبت اور اخلاص ہی نہین دیکہا بلکہ اس پیار کے مقابل پر جو ہمارے سید محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل سے ایک دریا کی طرح جوش مارتا تہا خدا تعالے کے پیار کو بہی تائیدات خارق عادت کے رنگ مین مشاہدہ کیا تب اس کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہے اور اُن کے دل بول اٹھے کہ وہ خدا اس مرد کے ساتھ ہے انہون نے اسقدر عجائبات الہیہ دیکھے اور اسقدر نشان آسمانی مشاہدہ کئے کہ انکو کچھہ بھی اس بات مین شک نہ رہا کہ فی الحقیقت ایک اعلی ذات موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور جسکے قبضہ قدرت مین ہر ایک امر ہے اور جسکے آگے کوئی بات بھی انہونی نہین اسیوجہ سے انہون نے وہ کام صدق وصفا کے دکھلائے اور وہ جانفشانیان کین کہ انسان کبھی کر نہین سکتا جبتک اس کے تمام شک شبہ دور نہ ہو جائین اور انہون نے بچشم خود دیکھہ لیا کہ وہ ذات پاک اسی مین راضی ہے کہ انسان اسلام مین داخل ہو اور اس کے رسول کریم کی بدل وجان متابعت اختیار کرے تب اس حق الیقین کے بعد جو کچھہ انہون نے متابعت دکھلائی اور جو کچھہ انہون نے متابعت کے جوش سے کام کئے اور جس طرح پر اپنی جانون کو اپنے برگزیدہ ہادی کے آگے پھینکدیا یہ وہ باتیں ہین کہ کبھی ممکن ہی نہین کہ انسانکو حاصل ہو سکین جبتک کہ وہی بہار اس کی نظر کے سامنے نہ ہو جو صحابہ پر آئی تھی اور جبکہ ان کمالات کو پیدا کرنا بغیر وجود ان وسائل کے محالات مین سے ہے اور نجات کا یقینی طور پر حاصل ہونا بہی بغیر ذریعہ ان کمالات کے از قبیل محال تو ضروری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کیلئے بلایا ہے ایسا ہی

ایسا ہی انتظام ہر یک صدی کے لئے رکھ اس کے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے
محروم نہ رہیں۔

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود
مخالف تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے **وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِين** اور صادق وہ ہیں
جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت
کا بجز اس کے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے پس ان معنوں
کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا
تعالےٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیۃ موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا
صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم **كُونُوا مَعَ الصَّادِقِين** دوام وجود صادقین
کو مستلزم ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپرواہ ہو کر عمر گذارتے
ہیں ان کی علوم و فنون جسمانی جذبات سے انکو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم اتنا ہی مرتبہ اسلام
کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے انکو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور جسطرح وہ اپنی اس دولت پر یقین
رکھتے ہیں جو ان کے صندوقوں میں بند ہو۔ یا اپنے ان مکانات پر جو ان کے قبضہ میں ہوں ہرگز انکو ایسا
یقین خدا تعالےٰ پر نہیں ہوتا وہ سم الفار کھانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایک زہر
مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے حالانکہ ہر روز قرآن میں پڑھتے ہیں انه من یات ربه
مجرما فان له جهنم لا يموت فيها ولا يحيى۔ پس سچ تو یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کو نہیں پہچانتا
وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے مگر
قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جسپر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ
اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالےٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں
پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں

بہیجا جتبک معلم القرآن دنیا مین نہین بہیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام مین اس مضمون کی آئتیں ہین کہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ یعنی وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگونکو سکہلاتا ہے اور پہر ایک جگہ اور فرماتا ہی لایمسہ الا المطہرون یعنی قرآن کے حقایق و دقایق انہی پر کہلتے ہین جو پاک کئے گئے ہین پس ان آیات سی صاف ثابت ہوتا ہی کہ قرآن کے سمجہنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہی جسکو خدا تعالے نے اپنے ہاتھ سی پاک کیا ہو اگر قرآن کے سیکہنے کے لیے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ مین بھی نہ ہوتی اور یہ کہنا کہ ابتدا مین تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہوگئین تو اب کیا ضرورت ہی اس کا جواب یہ ہی کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پہر قابل حل ہو جاتے ہین ماسوا اس کے اُمت کو ہر ایک زمانہ مین نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہین اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہی لیکن یہ ضروری نہین کہ ایک ہی زمانہ مین اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کہلتے ہین اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال اُن مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بہیجے جاتے ہین جو وارث رسل ہوتے ہین اور ظلی طور پر رسولون کے کمالات کو پاتے ہین۔ اور جس مجدد کی کاروائیان کسی ایک رسول کی منصبی کاروائیوں سے شدید مشابہت رکہتی ہین وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سی پکارا جاتا ہی۔

اور نئے معلمون کی اس وجہ سی بھی ضرورت پڑتی ہی کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے از قبیل حال ہین نہ از قبیل قال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلے معلم اور اصل وارث اس تخت کے ہین حالی طور پر ان دقایق کو اپنے صحابہ رض کو سمجہایا ہے مثلا خدا تعالے کا یہ کہنا کہ مین عالم الغیب ہون اور مین مجیب الدعوات ہون اور مین قادر ہون اور مین دعاؤن کو قبول کرتا ہون اور طالبون کو حقیقی روشنی تک پہنچاتا ہون اور مین اپنے صادق بندون کو الہام دیتا ہون اور جسپر چاہتا ہون اپنے بندون مین سی اپنی روح ڈالتا ہون یہ تمام باتین ایسی ہین کہ جبتک معلم خود ان کا نمونہ بنکر نہ دکہلاوے تبتک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہین آسکتیں پس ظاہر ہی کہ صرف ظاہری علماء جو خود اندہے ہین ان تعلیمات کو سمجہا نہین سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردونکو ہر وقت اسلام کی عظمت سی بدظن کرتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ باتین آگے نہین بلکہ پیچہے رہ گئی ہین اور اُن کے

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 22450
8.11.5

ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اس کی حقیقی تعلیم پانے کیلئے اب کوئی بھی راہ نہیں لیکن ظاہر ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ کا اپنی مخلوق کیلئے یہ ارادہ ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے انکو پانی پلادے تو بیشک وہ اپنے ان قوانین قدیمہ کی رعایت کرے گا جو قدیم سے کرتا آیا ہے اور اگر قرآن کی تعلیم صرف اسی حد تک محدود ہے جس حد تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہو سکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لاحاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی ایک دم کیواسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیاء کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنی صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتا کہ انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آسکتا اور اس حصہ کو وہی لوگ دلنشین کرا سکتے ہیں جو صاحب حال ہوں مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لیجاتے ہیں اور پھر قبر میں حساب اس طور سے ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے اور دوزخ ایسا اور پل صراط ایسا اور عرش اللہ کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اٹھائیں گے اور اس طرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے یا مکاشفات کا دروازہ ان پر کھولتا ہے یہ تمام حالی تعلیم ہے اور مجرد قیل و قال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے تو بیشک اس نے یہی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط ان معلموں کے جو مرتبہ حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آسکتا۔ اور دنیا ذرہ ذرہ بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلعم ایسے معلم نہیں آئے جنہیں ظلی طور پر نور نبوت تھا تو گویا خدا تعالےٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کی حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دنیا سے اٹھا لئے مگر یہ بات اس کے وعدہ کے برخلاف ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون** یعنی ہم نے ہی قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اس پر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانیوالے زاویہ عدم میں مختفی ہو گئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی کیا حفاظت

سے یہ حفاظت مراد ہے کہ قرآن بہت سے خوشخط نسخون مین تحریر ہو کر قیامت تک صندوقون مین بند رہیگا جیسے
بعض مدفون خزانے کو کسی کے کام نہین آتے مگر زمین کے نیچے محفوظ پڑے رہتے ہین کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت
سے خدا تعالے کا یہی منشا ہے۔ اگر یہی منشا ہے تو ایسی حفاظت کوئی کمال کی بات نہین بلکہ یہ تو ہنسی کی بات
ہے اور ایسی حفاظت کا موہنہ پر لانا دشمنون سے ٹھٹھا کرانا ہے کیونکہ جبکہ علت غائی مفقود ہو تو ظاہری حفاظت
سے کیا فائدہ ممکن ہے کہ کسی گرجا ہے مین کوئی نسخہ انجیل یا توریت کا بھی ایسا ہی محفوظ پڑا ہو اور دنیا مین تو ہزارہا
کتابین اس قسم کی پائی جاتی ہین کہ جو یقینی طور پر بغیر کسی کمی بیشی کے کسی مولف کی تالیف سمجھی گئی ہین تو اس
مین کمال کیا ہوا اور امت کو خصوصیت کیساتھ فائدہ کیا پہنچا گو اس سے انکار نہین کہ قرآن کی حفاظت ظاہری
بہی دنیا کی تمام کتابون سے بڑھکر ہے اور خارق عادت بھی لیکن خدا تعالے جسکی روحانی امور پر نظر ہے ہرگز
اس کی ذات کی نسبت یہ گمان نہین کر سکتے کہ اتنی حفاظت سے مراد صرف الفاظ اور حروف کا محفوظ رکھنا ہی
مراد لیا ہے حالانکہ ذکر کا لفظ بہی صریح گواہی دے رہا ہے کہ قرآن بحیثیت ذکر ہونے کے قیامت تک محفوظ رہیگا
اور اس کے حقیقی ذاکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہین گے اور اس پر ایک اور آیت بہی بین قرینہ ہے اور وہ یہ ہے بل
ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم یعنی قرآن آیات بینات ہین۔
جو اہل علم کے سینون مین ہین پس ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہی معنی ہین۔ کہ مومنون کو قرآن کریم کا علم اور نیز
اس پر عمل عطا کیا گیا ہے اور جب کہ قرآن کی جگہ مومنون کے سینے ٹھہرے تو پھر یہ آیت کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا
لہ لحافظون بجز اس کے اور کیا معنے رکھتی ہے کہ قرآن سینون سے محو نہین کیا جائیگا جس طرح کہ توریت اور انجیل
یہود اور نصارے کے سینون سے محو کی گئی اور گو توریت اور انجیل انکے ہاتھون اور انکے صندوقون مین تھی لیکن
ان کے دلون سے محو ہو گئی یعنے ان کے دل اس پر قائم نہ رہے اور انہون نے توریت اور انجیل کو اپنے دلون مین قائم اور
بحال نہ کیا۔ غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ تعلیم قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور
جس طرح روز اول سے اسکا پودہ دلون مین جمایا گیا یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔

دوم جس طرح پر کہ عقل اسبات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الہی کی دائمی تعلیم اور
تفہیم کیلئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کیطرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے ہین اسی طرح

جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہین اور غور کی نگہ سے اس کو دیکھتے ہین تو وہ بھی باآواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ روحانی معلّمون کا ہمیشہ کیلئے ہونا اُس کے ارادہ قدیمہ مین مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلشانہ فرماتا ہے **و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** الجزو ۱۳ یعنی جو چیز انسانون کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا مین زیادہ تر انسانون کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہین کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیون سے حقایق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانون کے ایمان کو قوی کرتے ہین اور حق کے طالبون کو دینی نفع پہنچاتے ہین اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا مین کچھ بہت مدت تک نہین رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کرکے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہین لیکن آیت کے مضمون مین خلاف نہین اور ممکن نہین کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو پس انبیا کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یون ہونگے کہ انبیا من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہین اور خدا تعالےٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت مین کسی اپنے بندہ کو اُنکی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہین کے رنگ مین ہوکر اُن کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندون کو یہ دعا سکھائی ہے **اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم** یعنی اے خدا ہمارے ہمین وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے اُن بندون کی راہ ہے جنپر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کیلئے اس دعا مین حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم مین سے نہین بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالےٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کیلئے تبھی حکم فرمایا کہ اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا ہے پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا اُن کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ اور نہ صرف دعا کیلئے حکم کیا بلکہ ایک آیت مین وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے **والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا** یعنی جو لوگ ہماری راہ مین جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کرینگے تو ہم اُنکو اپنی راہین بتلا دینگے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہین وہی ہین جو انبیاء کو دکھلائی گئین ہین۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم ولا يزال الذين كفروا تصيبهم بما صنعوا قارعة او تحل قريبا من دارهم حتى ياتي وعد الله ان الله لا يخلف الميعاد الجزو نمبر ۱۳۔ وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا۔ یعنی خدا تعالےٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا۔ جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا۔ اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا اُن کے گھر سے نزدیک آجائینگی یہانتک کہ خدا تعالےٰ کا وعدہ آپہنچیگا اور خدا تعالےٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے۔ جبتک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

اِن آیات کو اگر کوئی شخص تأمل اور غور کی نظر سے دیکھے تو مَیں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالےٰ اس امت کیلئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہکر پھر ہمیشہ کیلئے اُس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کیلئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنیوالے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالےٰ نے اس مذہب کیلئے ہرگز ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریمؐ کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اسواسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی

طور پر بقا نہیں لہذا خدا تعالے نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف واولی ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تاقیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالے نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریم کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزارہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے اور اگر خدا تعالے چاہتا تو اس کی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ۹۳ برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقررہ عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اس قانون قدرت سے کچھ بڑھکر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس امت کی تیس برس تک ہی فکر تھا اور پھر انکو ہمیشہ کیلئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لئے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا کیا عقل سلیم خدا تعالیٰ رحیم وکریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہرگز نہیں اور پھر یہ آیت خلافت ائمہ پر گواہ ناطق ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لئے کہ یرثہا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے۔ نہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

پہر اسپر بہی غور کرنا چاہیے کہ جس حالت مین خدا تعالی نے ایک مثال کیطور پر سمجہا دیا تہا کہ مین اسی طور پر اس امت مین خلیفے پیدا کرتا رہونگا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا کئے تو دیکہنا چاہیے تہا کہ موسیٰ کی وفات کے بعد خدا تعالی نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اس نے صرف تیس برس تک خلیفے بہیجے یا چودہ سو برس تک اس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پہر جس حالت مین خدا تعالی کا فضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت موسے علیہ السلام سے کہین زیادہ تہا چنانچہ اُس نے خود فرمایا وکان فضل اللہ علیک عظیما اور ایسا ہی اس اُمت کی نسبت فرمایا کنتم خیر اُمۃٍ اخرجت للناس تو پہر کیونکر ہو سکتا تہا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفون کا چودہ سو ۱۴۰۰ برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اس جگہ صرف تیس برس تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جبکہ یہ اُمت خلافت کے انوار روحانی سے ہمیشہ کے لئے خالی ہے تو پہر آیت اخرجت للناس کے کیا معنی ہین کوئی بیان تو کرے مثل مشہور ہے کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند جبکہ اس امت کو ہمیشہ کیلئے اندہا رکہنا ہی منظور ہے اور اس مذہب کو مردہ رکہنا ہی مد نظر ہے تو پہر یہ کہنا کہ تم سب سے بہتر ہو اور لوگون کی بہلائی اور رہنمائی کیلئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکہتا ہے کیا اندہا اندہے کو راہ دکہا سکتا ہے۔ سو اے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اس آیت کے یہی معنی ہین کہ ہمیشہ قیامت تک تم مین روحانی زندگی اور باطنی بینائی رہے گی اور غیر مذہب والے تم سے روشنی حاصل کرینگے۔ اور یہ روحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والون کو حق کی دعوت کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکہتی ہے یہی وہ چیز ہے جسکو دوسرے لفظون مین خلافت کہتے ہین پہر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پہر زاویہ عدم مین مخفی ہو گئی۔ اتقوا اللہ ! اتقوا اللہ ! اتقوا اللہ ۔ !

اب یاد رہے کہ اگرچہ قرآن کریم مین اس قسم کی بہت سی آیتین ایسی ہین کہ جو اس اُمت مین خلافت دائمی کی بشارت دیتی ہین اور احادیث بہی اس بارے مین بہت سی بہری پڑی ہین لیکن بالفعل اس قدر لکہنا اُن لوگون کے لئے کافی ہے جو حقایق ثابت شدہ کو دولت عظمیٰ سمجہہ کر قبول کر لیتی ہین اور اسلام کی نسبت اس سے بڑہکر اور کوئی بد اندیشی نہین کہ اسکو مردہ مذہب خیال کیا جاوے اور اس کی برکات کو صرف قرن اول تک محدود رکہا جاوے کیا وہ کتاب جو ہمیشہ کی سعادتون کا دروازہ کہولتی ہے

وہ ایسی پست ہمتی کا سبق دیتی ہے کہ کوئی برکت اور خلافت آگے نہیں بلکہ سب کچھ پیچھے رہ گیا ہے۔ نبی تو اس امت میں آنے کو رہے اب اگر خلفاء نبی بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی روحانیت کا خاتمہ ہے اور پھر ایسے مذہب کو موسوی مذہب کی روحانی شوکت اور جلال سے نسبت ہی کیا ہے جس میں ہزارہا روحانی خلیفے چودہ سو برس تک پیدا ہوتے رہے اور افسوس کہ ہمارے معترض ذرہ نہیں سوچتے کہ اس صورت میں اسلام اپنی روحانیت کے لحاظ سے بہت ہی ادنے ٹھہرتا ہے اور نبی متبوع صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ بہت بڑا نبی ثابت نہیں ہوتا اور قرآن بھی کوئی ایسی کتاب ثابت نہیں ہوتی جو اپنی نورانیت میں قوی الاثر ہو پھر یہ کہنا کہ یہ امت خیر الامم ہے اور دوسری امتوں کیلئے ہمیشہ روحانی فائدہ پہنچانے والی ہے اور یہ قرآن سب الہی کتابوں کی نسبت اپنی کمالات اور تاثیر وغیرہ میں اکمل و اتم ہے اور یہ رسول تمام رسولوں سے اپنی قوت قدسیہ اور تکمیل خلق میں اکمل و اتم ہے کیسا بیہودہ اور بے معنی اور بے ثبوت دعوی ٹھہریگا۔ اور پھر یہ ایک بڑا فساد لازم آئیگا کہ قرآن کی تعلیمات کا وہ حصہ جو انسان کو روحانی انوار اور کمالات میں مشابہ انبیاء بنانا چاہتا ہے ہمیشہ کیلئے منسوخ خیال کیا جاوے گا کیونکہ جبکہ امت میں یہ استعداد ہی نہیں پائی جاتی کہ خلافت کے کمالات باطنی اپنے اندر پیدا کریں تو ایسی تعلیم جو اس مرتبہ کے حاصل کرنیکے لئے تاکید کر رہی ہے محض لاحاصل ہوگی۔ درحقیقت فقط ایسی سوال سے ہی کہ کیا اسلام اب ہمیشہ کیلئے ایک مذہب مردہ ہے جس میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے جن کی کرامات معجزات کے قائم مقام اور جنکی الہامات وحی کے قائم مقام ہوں بدن کانپ اٹھتا ہے چہ جائیکہ کسی مسلمان کا نعوذ باللہ یہی عقیدہ بھی ہو خدا تعالے ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو ان ملحدانہ خیالات میں اسیر ہیں۔

اب جبکہ قرآن شریف کی رو سے یہی ثابت ہوا کہ اس امت مرحومہ میں سلسلہ خلافت دائمی کا اسی طور پر اور اسی کی مانند قائم کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کی شریعت میں قائم کیا گیا تھا اور صرف اس قدر لفظی فرق رہا کہ اس وقت تائید دین عیسوی کیلئے نبی آتے تھے اور اب محدث آتے ہیں تو اس ثبوت کو اس بات کا مان لینا مستلزم ہے کہ جیسی حضرت موسے کی شریعت کے آخری زمانہ میں ایک نبی جسکا نام عیسی تھا ایسے وقت میں آیا کہ جب یہودیوں کی اخلاقی حالت بکلی بگڑ گئی تھی اور حقیقی تقوے اور دیانت اور

قومی ہمدردی اور اتفاق اور سچی خدا ترسی بیہودہ بکلی دور جا پڑے تہے اور ان کے علم اور فکر کا مبلغ صرف
ظاہری لفاظی اور الفاظ پرستی تک محدود ہو گیا تہا اور نیز اپنی دنیوی حالت مین کمزور اور ذلیل ہو گئے تھے ایسا
ہی اُس نبی کے ہمرنگ اور اس زمانہ کے مشابہ ایک محدث اس امت مین بھی ایسے وقت مین پیدا ہونا ضروری ہے
کہ جب یہ امت بھی اسی طور پر بگڑجائے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مین یہودی بگڑے ہوئے
تہے اور جب غور سے دیکھا جاتا اور بنظر تحقیق سوچا جاتا ہے تو صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ جس
مین حضرت مسیح علیہ السلام کا اس امت مین بھی کوئی مثیل بوجہ مماثلت تامہ کاملہ سلسلہ خلفاء موسوی و خلفاء
محمدی مین پیدا ہونا چاہیئے یہی زمانہ ہے جس مین ہم ہین کیونکہ حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح کا قریباً
چودہ سو برس کا فاصلہ تہا اور اب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت تک چودہوین صدی ہے
اور حضرت موسیٰ کی امت چودہوین صدی پر اگر ایسی بگڑ گئی تھی کہ تقوے اور دیانت بالکل جاتی رہی تہی
اور علماء یہود ناحق کے اختلافات اور نفسانی جھگڑون مین مصروف تہے اور ان مین بہت کچھ فسق و فجور
پہیل گیا تہا اور ان کی دنیوی حالت مین بھی بہت ابتری پیدا ہو گئی تھی ایسا ہی اس زمانہ مین اس امت
کا حال ہے اور جو واقعات آنکھون کے سامنے ہین وہ صاف شہادت دے رہے ہین کہ درحقیقت اس امت
اور اس امت کے علما اس زمانہ کے یہودیون کے قدمون پر قدم مارا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کیوقت
مین موجود تہے اور نہ صرف اسی بات مین وہ اُسوقت کے یہودیون کے مشابہ ہو گئے ہین کہ دیانت اور تقوے
اور روحانیت اور حقیقت شناسی اُن مین باقی نہین رہے بلکہ دنیوی ادبار بھی ویسا ہی شامل حال ہو
گیا ہے کہ جیسا اس زمانہ مین تہا اور جیسا کہ اسوقت یہودیہ ریاستون کو رومی روک نے تبا   اور ضربت
علیہم الذلۃ والمسکنۃ کا مصداق ہو گئے تہے اور یہودی اپنے تئین ضعیف اور بیکس دیکھ کر ایک ایسے مسیح کے
منتظر تہے جو بادشاہ ہو کر آوے اور رومیون پر تلوار چلاوے کیونکہ توریت کے آخر مین یہی وعدہ دیا گیا تہا
ویسا ہی یہ قوم مسلمان بھی اکثر اور اغلب طور پر ادبار کی حالت مین گری ہوئی نظر آتی ہے اگر کوئی ریاست ہے
تو اس کو اندرونی نفاقون اور وزراء اور عملہ کی خیانتون اور بادشاہون کی کسل اور سستیون اور جہالتون اور
بے خبریون اور عیش پسندیون اور آرام طلبیون نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ اب اُن کا کوئی آخری دم ہی نظر آتا

ہے اور یہ لوگ بھی یہودیون کیطرح منتظر ہے کہ مسیح موعود بادشاہون کیطرح بڑے جلال کے ساتھ انکی حمایت کیلئے نازل ہوگا۔

اب وہ آنکھیں جو دیکھ سکتی ہیں اور وہ دل جو انصاف کر سکتے ہیں اور وہ عقل جو سوچ سکتی ہے اِس جگہ دیکھ لیں اور تول لیں اور سوچ لیں کہ کیا یہ ماجرا اور وہ ماجرا دونون برابر ہیں یا نہیں بہلا پیشگوئیون کو تہوڑی دیر کیلئے نظرانداز کر دو صرف ایک محقق بنکر عقلی طور پر ہی دیکھو کہ کیا اس زمانہ کے مسلمانون اور حضرت مسیح کے زمانہ کے یہودیون کا معاملہ طابق النعل بالنعل کا مصداق ہے یا نہیں۔ انجیلون کو غور کر کے دیکھو اور پڑھو کہ جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے مولویون اور فقیہون کی نسبت حالات لکھے ہیں اور اُن کی خیانتیں ظاہر کی ہیں کیا حال کے مسلمان مولویون میں وہ پائے جاتے ہیں یا نہیں کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ ہمارے علما بھی یہودیون کے فقیہون کیطرح دن رات عبث جھگڑون میں پڑے ہوئے ہیں اور روحانیت سے بکلی خالی ہو گئے ہیں اور دوسرون کو کافر ٹھیرانے میں کوشش کرتے اور آپ نہیں جانتے کہ اسلام کیا شے ہے اور وہ ایسے وعظ کرتے ہیں جن پر آپ عمل نہیں کرتے اور روٹی کمانے کے لئے وعظ کا منصب اختیار کر کے دور دراز نکل جاتے ہیں اور بے سند تک بندیون سے لوگون کو خوش کر کے مال حرام کہاتے ہیں اور مکر اور فریب اور دغابازیون میں یہودیون سے کچھ کم نہیں رہے ایسا ہی دنیا دارون کی حالت ہے کہ اکثر اِن کے دنیا کمانے کے لئے ہر یک خیانت اور دروغ گوئی کو شیر مادر کیطرح حلال سمجھتے ہیں جو رئیس کہلاتے ہیں اور ٹوٹی پہوٹی ریاستیں انکے ہاتھ میں ہیں انکو عیاشیون نے ہلاک کر دیا ہے بہتیرے ان میں سے شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں زنا سے ذرہ بھی کراہت کرتے خدا تعالےٰ کا خوف ذرات کے کسی حصہ میں بھی ان کے نزدیک نہیں آتا۔ اب یہود کی تواریخ ہاتھ میں لے کر دیکھو کہ کسقدر ان مسلمانون کو دین اور دنیا کی تباہی میں ان یہود سے اشد مشابہت ہے جو حضرت مسیح کیوقت میں تھے توریت میں یہود کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ جب تک سیلا نہ آوے اُن کی بادشاہی نہیں جائے گی سیلا سے مراد حضرت مسیح تہے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا تہا کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے بھی کچھ عرصہ پہلے یہود کی متفرق ریاستون پر سلطنت رومیہ ٹوٹ پڑی ہوئی تھی اور چونکہ یہود اس زمانہ کے مسلمانون

کیطرح باہمی نفاقون اور روز کے جھگڑون اور کسل اور جہالت کے غلبہ سے ضعیف ہو چکی تہی اور اُن کی اندرونی حالت خود ان کے لئے ایک بدفالی کی خبر دے رہی تہی اس لئے یہود نے حضرت مسیح کے زمانہ سے کچھہ تہوڑا ہی پیشتر خود اپنے تئین سلطنت رومیہ کے سپرد کر دیا تھا اور مشابہت کے لحاظ سے اس امت مین بہی ایک ایسا کا آنا ضروری تہا جو عین دینی دنیوی تباہی کیوقت مین آوے۔

اور در حقیقت ایسی ہی پیشگوئی مسلمانون کے اُس زمانہ کے لئے جو حضرت مسیح کے زمانہ سے بلحاظ مدت وغیرہ لوازم مشابہ تہا قرآن کریم نے بہی کی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **من کل حدب ینسلون** ای من کل حدب ینسلون الی الاسلام ویفسدون فی ارضہ - ویتملکون بلادہم ویجعلون اعزۃ اہلہا اذلۃ - اس آیت کے یہی معنی ہین کہ قوم نصاریٰ جو فرقہ یاجوج اور ماجوج ہوگا ہر یک بلندی سے ممالک اسلام کیطرف دوڑینگے اور انکو غلبہ ہوگا اور بلاد اسلام کو وہ دباتے جاینگے یہانتک کہ سلطنت اسلام صرف بنام رہ جائیگی جیسا کہ آجکل ہے۔ واقعات کی تطابق کو دیکھو کہ کیونکر اسلام کے مصائب اور مسلمانون کی دینی دنیوی تباہی کا زمانہ یہودیون کے اس زمانہ سے ملگیا ہے جو حضرت مسیح کے وقت مین تہا اور پہر دیکھو کہ قرآن کی پیشگوئی اسلامی سلطنت کے ضعف کے بارے مین اور مخالفون کے غالب ہونیکی نسبت کیسی اُس پیشگوئی سے انطباق پا گئی ہے جو اسرائیلی سلطنت کی زوال کے بارہ مین توریت مین کیگئی تھی - ہان مجددون کی بشارت مین توریت کی پیشگوئی اور قرآن کی پیشگوئی مین صرف پیرایہ بیان کا فرق ہے یعنی توریت مین تو اسرائیلی قوت کے ٹوٹنے اور عصا کے جاتے رہنے کیوقت مین جس سے مراد زوال سلطنت تہا سیلا کے آنیکی بشارت دیگئی ہے مگر قرآن مین اسلامی طاقت کے کم ہونے اور امواج فتن کے اٹھنے کے وقت جو عیسائی واعظون کی دجالیت سے مراد ہے نفخ صور کی خوشخبری دیگئی ہے اور نفخ صور سے مراد قیامت نہین ہے کیونکہ عیسائیون کے امواج فتن کے پیدا ہونے پر تو سو برس سے زیادہ گذر گیا ہے مگر کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی مہدی اور مجدد کو بہیجکر ہدایت کی صور پہونکی جائے اور ضلالت کے مردون مین پہر زندگی کی روح پہونک دی جاوے کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیا اور اماتت تک محدود نہیں ہے

بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے اور جیسا قرآن میں نفخ صور سے کسی مجدد کا بھیجنا مراد ہے تا عیسائی مذہب کے غلبہ کو توڑے ایسا ہی امواج فتن سے وہ دجالیت مراد ہے جو حدیثوں میں دجال معہود کے نام پر بیان کی گئی ہے اور خدا تعالے نے دجال معہود اور مسیح موعود کے لفظ کو جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہیں قرآن میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ بجائے دجال کے نصاریٰ کی پرفتن کارروائیوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ **من کل حدب ینسلون** بھی اسی کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم میں آنیوالے مجدد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صور کو اُس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتیاروں کے ساتھہ ظاہر نہیں ہو گا بلکہ آسمانی نفخ پر اُس کے اقبال اور عروج کا مدار ہو گا اور وہ پُر حکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا کیونکہ وہ معقولی فتنوں کیوقت آئے گا نہ سیفی فتنوں کیوقت اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالے ہر یک فتنہ کی طرز کے موافق نبی اور مجدد کو بھیجتا ہے پس جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوقت میں یہودیوں کی تمام قوتیں مسلوب ہو چکی تہیں اور ان کے ہاتہہ بجز مکر اور فریب اور زبانی باتوں کے اور کچھہ نہ تہا اور سلطنت رومیہ جس کے تحت میں وہ اپنی بدچلنیوں اور بدانتظامیوں کی جہت سے خود آگئے تہے رومیوں کا بلحاظ ملک گیری کچھہ قصور نہ تہا یہی حال قرآن کریم میں مسیح موعود کے زمانہ میں لکہا گیا ہے مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی نالائق حالت ایسی ہے کہ وہ کسی مصلح کے پیدا ہونے پر تلوار سے اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے کیونکہ خود تلواریں اُن کے پاس نہیں اور دہلی کا تخت انگریزوں نے ایسا ہی لیلیا جیسا کہ یہودیوں کا تخت سلطنت رومیہ نے یعنے محض بادشاہوں کی بدچلنی اور نالیاقتی کی وجہ سے۔ انگریزوں کا اس ملک گیری میں کچھہ قصور نہیں تا ان پر تلوار اٹہائی جاوے بلکہ از ماست کہ بر ماست کی مثال اس جگہ صادق آتی ہے اسی وجہ سے اس صدی کا مجدد حضرت مسیح کے رنگ میں آیا اور بوجہ قوی مشابہت کے مسیح موعود کہلایا اور یہ نام کچھہ بناوٹی نہیں بلکہ حالات موجودہ کے مطابقت کیوجہ کر اسی نام کی ضرورت پڑی۔

اور یاد رہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ رسل کے لفظ کیساتھہ مسیح موعود کیطرف اشارہ ہے لیکن

یہ سوال کہ ان ہی الفاظ کیساتھ جو احادیث میں آئے ہیں کیوں قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا پڑھنے والوں کو دہوکا نہ لگ جاوے کہ مسیح موعود سے مراد درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جنپر انجیل نازل ہوئی تھی اور ایسا ہی دجال سے کوئی خاص مفسد مراد ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے فرقان حمید میں ان تمام شبہات کو دور کر دیا۔ اس طرح پر کہ اول نہایت تصریح اور توضیح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **وفات** کی خبر دی جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ سے ظاہر ہے۔ دوسرے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا **خاتم الانبیاء** ہونا بھی ظاہر کر دیا جیسا کہ فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور پھر یہودیوں کی بہت سی نافرمانیاں جابجا ذکر کر کے متواتر طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ **آخری** حالت عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے علماء کی بھی یہی ہو جائے گی اور پھر ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں **غلبہ نصاریٰ** کا ہوگا اور ان کے ہاتھ سے طرح طرح کے فساد پھیلیں گے اور ہر طرف سے امواج فتن اٹھیں گی اور وہ ہر یک بلندی سے دوڑینگے یعنی ہر یک طور سے وہ اپنی قوت اور اپنا عروج اور اپنی بلندی دکھلائیں گے ظاہری طاقت اور سلطنت میں بھی ان کی بلندی ہوگی اور حکومتیں اور ریاستیں ان کے مقابل پر کمزور ہو جائینگی اور علوم و فنون میں بھی انکو بلندی حاصل ہوگی کہ طرح طرح کے علوم و فنون ایجاد کرینگے اور نادر اور عجیب صنعتیں نکالیں گے اور مکاید اور تدابیر اور حسن انتظام میں بھی بلندی ہوگی اور دنیوی مہمات میں اور ان کے حصول کیلئے انکی ہمتیں بھی بلند ہونگی اور اشاعت مذہب کی جد و جہد اور کوشش میں بھی وہ سب سے فایق اور بلند ہونگے اور ایسا ہی تدابیر معاشرت اور تجارت اور ترقی کاشتکاری غرض ہر یک بات میں ہر یک قوم پر فایق اور بلند ہو جائینگے یہی معنے ہیں مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ کے کیونکہ حدب بالتحریک زمین بلند کو کہتے ہیں اور نسل کے معنے ہیں سبقت لیجانا اور دوڑنا۔ یعنی ہر ایک قوم سے ہر ایک بات میں جو شرف اور بلندی کیطرف منسوب ہو سکتی ہے سبقت لیجائیں گے اور یہی بھاری علامت اس آخری قوم کی ہے جسکا نام یاجوج ماجوج ہے اور یہی علامت پادریوں کی اس گروہ پر فتن کی ہے جسکا نام دجال معہود ہے اور چونکہ حدب زمین بلند کو بھی کہتے ہیں اس سے یہ اشارہ ہے کہ تمام زمینی بلندیاں انکو نصیب ہونگی مگر آسمانی بلندی سے بے نصیب ہونگے اور اس مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قوم یاجوج و ماجوج باعتبار اپنے ملکی عروج کے یاجوج ماجوج سے موسوم

ہے اور اسی قوم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ضلالت کے پھیلانے میں اپنی کوششیں انتہا کو پہنچا دی ہیں۔ اور دجال اکبر سے موسوم ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے ضلالت کی عروج کے ذکر کے وقت فرمایا کہ اس وقت نفخ صور ہو گا اور تمام فرقے ایک ہی جگہ اکٹھے کئے جائینگے اور بعد ان آیات کے جو جہنم کا ذکر ہے وہ قرآن کریم کے محاورہ کے موجب الگ بیان ہے کیونکہ قرآن کریم کا یہ عام محاورہ ہے کہ بعض اوقات دنیا کے کسی واقعہ کا ذکر کرتے کرتے کسی مناسبت کی وجہ سے آخرت کا ذکر ساتھ ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کو غور سے دیکھنے والے اس متواتر محاورہ سے بے خبر نہیں ہیں۔

تیسرا شق ہماری ان مباحث کا یہ تھا کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح موعود جسکا قرآن اور حدیث میں مختلف پیرایوں میں ذکر ہے وہ یہی عاجز ہے سو میرے خیال میں اس شق کے دلایل لکھنے میں زیادہ طول دینے کی حاجت نہیں۔ اس بات کو ہمنے اس رسالہ میں ثابت کر دیا ہے کہ ایک شخص کا اس امت میں سے مسیح علیہ السلام کے نام پر آنا ضروری ہے کیوں ضروری ہے تین وجہ سے +

اول۔ یہ کہ مماثلت تامہ کاملہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو آیت كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا سے مفہوم ہوتی ہے اس بات کو چاہتی ہے وجہ یہ کہ آیت إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا صاف بتلا رہی ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ اپنی امت کی نیکی بدی پر شاہد تھے ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شاہد ہیں مگر یہ شہادت دوامی طور پر بجز صورت استخلاف کے حضرت موسیٰ کیلئے ممکن نہیں ہوئی یعنی خدا تعالیٰ نے اسی اتمام حجت کی غرض سے حضرت موسیٰ کیلئے چودہ سو برس تک خلیفوں کا سلسلہ مقرر کیا جو درحقیقت توریت کی خادم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کی تائید کے لئے آتے تھے تا خدا تعالیٰ بذریعہ ان خلیفوں کے حضرت موسیٰ کی شہادت کے سلسلہ کو کامل کر دیوے اور وہ اس لائق ٹھہریں کہ قیامت کو تمام بنی اسرائیل کی نسبت خدا تعالے کے سامنے شہادت دے سکیں۔ ایسا ہی اللہ جلشانہ نے اسلامی امت کے کل لوگوں کے لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد ٹھہرایا ہے اور فرمایا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ اور فرمایا وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا مگر ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم صرف تئیس ۲۳ برس تک اپنی امت مین ہی پھر یہ سوال کہ دائمی طور پر وہ اپنی امت کیلئے کیونکر شاہد ٹہر سکتے ہین یہی واقعی جواب رکھتا ہی کہ بطور استخلاف کے یعنی موسٰی علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہی قیامت تک خلیفے مقرر کردے اور خلیفون کی شہادت بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت متصور ہوئی اور اس طرح یہ مضمون آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدا علیکم ہر یک پہلو سے درست ہوگیا غرض شہادت دائمی کا عقیدہ جو نص قرآنی سے بتواتر ثابت اور تمام مسلمانون کے نزدیک مسلّم ہے تبہی معقولی اور تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے جب خلافت دائمی کو قبول کیا جائے اور یہ امر ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہی - فتدبر -

دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی کی استخلاف موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری ٹہراتی ہے جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے یعنی آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملو الصّٰلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم صاف بتلا رہی ہی کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودہوین صدی مین آنا ضروری ہی کیونکہ امر استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت مین اکمل اور اتم مشابہت پیدا کر سکتا ہی کہ جبکہ اول زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکہتی ہون اور آخری زمانہ کی مشابہت دو باتون مین تہی ایک امت کا حال ابتر ہونا اور دنیا کے اقبال مین ضعف آجانا اور دینی دیانت اور ایمانداری اور تقوے مین فرق آجانا دوسرے ایسے زمانہ مین ایک مجدد کا پیدا ہونا جو مسیح موعود کے نام پر آوے اور ایمانی حالت کو بہر بحال کرے سو پہلی علامت کو ہمارے بہائی مسلمان صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ مسلمانون کا ادبار اور ایک ایسی غیر قوم کا اقبال اپنی آنکھون سے دیکھہ رہی ہین جو اُن کے مذہب کو ایسا ہی حقیر اور ذلیل سمجہتی ہی جیسا کہ مجوسی یہودیون پر غالب آکر حضرت مسیح کے زمانہ مین یہود کو حقیر اور ذلیل سمجہتے تہی اور یہ بہی دیکہہ رہی ہین کہ اندرونی حالت اسلام کی علماء اور اسلام کے دنیاداروں کی یہودیون کے حالات سے کچہہ کم نہین ہے بلکہ خیر سے دہ چند معلوم ہوتی ہے جب ہم قرآن کے پہلی ہی جزو مین یہ آیتین پڑہتے ہین جو یہودیون کے مولویون کے حق مین کہ تم لوگون کو تو نیکی او بہلائی کیلئے وعظ کرتے ہو اور اپنے تئین بہول جاتے ہو اور انچو

بھائیوں کے ستانے میں تم قصور نہیں کرتے اور طرح طرح کے لالچوں اور حرامکاریوں اور بدکاریوں اور بدمنصوبوں اور دنیا طلبی کی فریبوں میں مشغول ہو تو بے اختیار دل بول اٹھتا ہے کہ تمام آیتیں ہمارے اکثر مولویوں کے حق میں صادق آرہی ہیں۔

پھر جبکہ ان متلازم علامتوں میں سے ایک علامت کا اس زمانہ میں پایا جانا ہمارے بھائیوں نے قبول کر لیا تو دوسری علامت کے قبول کرنے سے منہ پھیرنا بعینہٖ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ آفتاب بیشک نکلا ہوا ہے مگر ابھی دن نہیں چڑھا۔ بہرحال ایک منصف دانا کو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ آیات قرآنی پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف کے سلسلہ سے بکلی مطابق ہونا چاہیے جیسا کہ کما کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اور جبکہ بکلی مطابق ہوا تو اس امت میں بھی اس کے آخری زمانہ میں جو قرب قیامت کا زمانہ ہے حضرت عیسیٰ کی مانند کوئی خلیفہ آنا چاہیے کہ جو تلوار سے نہیں بلکہ روحانی تعلیم اور برکات سے اتمام حجت کرے اور اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد آئے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کا اس زمانہ میں ظہور کرنا ضروری ہو اور خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں تو اب دیکھنا چاہیے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں مسیح موعود ہونیکا دعوے کیا۔ اگر فرض بھی کیا جائے کہ مثلاً مسلمانوں میں سے اس زمانہ میں دس آدمیوں نے دعوے کیا ہے تو ان دس میں سے ایک ضرور صادق اور مسیح موعود ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ نشان صادق کے وجود کو چاہتے ہیں۔ لیکن جس حالت میں بیس کروڑ مسلمانوں میں سے جو شام اور عرب اور عراق اور مصر اور ہند وغیرہ بلاد میں رہتے ہیں اس علامات کے زمانہ میں جو کتاب اللہ اور حدیث کی رو سے **مسیح موعود** کے ظہور کا زمانہ ہے صرف ایک شخص نے مسلمانوں میں سے مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا ہے تو ایسے مدعی کی تکذیب سے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا پیشگوئی کی تکذیب لازم آتی ہے **چودھویں صدی** کے سر پر مسیح موعود کا آنا جسقدر حدیثوں سے قرآن سے اولیاء کے مکاشفات سے بپایہ ثبوت پہنچتا ہے **حاجت بیان** نہیں پھر جو دعوی اپنے محل اور موقعہ پر ہے اس کی رد کرنے سے تو ایک متقی آدمی کا بدن کانپ جاتا ہے غرض پہلی دلیل اس عاجز کی

صداقت کی ایسے وقت مین دعوی کرتا ہے جسوقت کو سیدالرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور اولیاء کے **مکاشفات** نے مسیح موعود کے ظہور کیلئے **خاص** کیا ہے جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزمان ٹھہرے اور پھر اُس آخرالزمان سے بھی تیرہ سو برس اور گذر گیا تو پھر اس حدیث کو سوچو جس مین منبر کے سات درجہ کو جو رویا مین دیکھا گیا دنیا کا سات ہزار برس قرار دیا ہے اور **خوب غور کرو** کہ کیا یہ زمانہ اس حدیث کی رو سے مسیح موعود کیلئے ضروری ہے یا نہیں۔ پھر حدیث آلایات بعد المائتین پر بھی خیال کرو جس سے علماء نے یہ نکالا ہے کہ تیرہوین صدی سے آیات کبرٰے قیامت کی شروع ہونگی کیونکہ اگر آیات سے آیات صغرٰی مراد ہین تو اس صورت مین بعد المائتین کی شرط لاحاصل ٹھہرتی ہے خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قیامت کی علامتون مین سے ایک علامت ہے۔ پھر اگر حدیث کے یہ معنے کئے جائینگے کہ دو سو برس کے بعد علامات کبرٰے شروع ہونگی تو یہ صریح خلاف ہے کیونکہ دو سو برس کے بعد تو کوئی علامت شروع نہ ہوئی اس لئے علماء نے اس حدیث مین آتین سے مراد وہ دو سو لیا ہے جو ہزار کے بعد آوے یعنی بارہ سو برس۔ اور اس تاویل مین علماء حق پر ہین کیونکہ کچھ شک نہین کہ بڑے بڑے فتنے تیرہوین صدی مین ہی ظہور مین آئے اور دجالیت کا طوفان اسی صدی مین پھیلا اور من کل حدب ینسلون کا تماشا بھی اسی صدی مین دیکھا گیا۔ صدہا اسلامی ریاستین خاک مین مل گئین اور نصارٰی نے خوب بلندی حاصل کی۔

اور یہ نیسرا شق بحث طلب کہ اگر درحقیقت کوئی مسیح موعود اس امت مین سے آنیوالا ہے تو اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح یہی عاجز ہے اس کی بعض قرآنی دلائل تو ابھی ہم تحریر کر چکے ہین حاجت اعادہ نہین لیکن خاص طور کے دلائل اگر طلب ہون تو سائل کو ذرہ صبر کرنا چاہیے تا خود خدا تعالیٰ اپنے بندے کی تائید مین دلایل نازل کرے اصل بات یہ ہے کہ ایسے دعاوی صرف معقولی یا منقولی دلایل سے کامل طور پر پایہ ثبوت تک نہین پہنچ سکتے جبتک شخص مدعی کی برکات آسمانی تائیدات سے ثابت نہ ہون اور یہی سنت خدا تعالیٰ کی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جاری چلی آئی ہے مثلاً ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ مین اگرچہ پہلی کتابون مین پیش از وقت خبرین دی گئین تھین اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اپنی

زمانہ میں تشریف لائے کہ وہ زمانہ ایک **عظیم الشان** رسول کے مبعوث ہونے کا محتاج ہو رہا تھا لیکن باوجود ان سب باتوں کے خداتعالیٰ نے اپنے سچے نبی کی سچائی ثابت کرنے کے لئے پہلی پیشگوئیوں پر اکتفا نہ کی اور نہ دوسرے قرائن کو مکتفی سمجھا بلکہ بہت سے آسمانی نشان اس پاک نبی کی **تصدیق** کے لئے نازل کئے۔ یہانتک کہ اس نبی کریم کا **سچا ہونا** کھل گیا اور آفتاب کیطرح نور صداقت چمک اٹھا۔

سو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ عاجز خداتعالیٰ کیطرف سے ہے اور اپنے اقوال میں صادق ہے تو خداتعالیٰ اپنی خاص مددوں سے اس عاجز کی سچائی کو ظاہر کر دے گا۔ اور اپنے خاص نشانوں سے دنیا پر **روشن** کر دے گا یہ عاجز اس کیطرف سے ہے نہ اپنے منصوبوں سے۔ پھر جس حالت میں آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اپنے دعوے میں صادق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بعد اس کے کوئی وجہ انکار باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ آسمانی نشان وہ چیز ہے جس سے **بڑی بڑی نبوتیں** ثابت ہو گئی ہیں رسالتیں ثابت ہو گئیں ہیں کتابوں کا خداتعالیٰ کا کلام ہونا ثابت ہو گیا ہے پھر ان کے ذریعہ سے **مثیل مسیح ہونا کیوں ثابت** نہ ہو سکے غرض خداتعالیٰ جس طور سے اپنے صادق بندوں کی صداقت ثابت کرتا آیا ہے اسی طور سے اس عاجز کی **صداقت** بھی ثابت کرے گا۔ دیکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کے ماننے کے بارے میں کس قدر مشکلات یہودیوں کو پیش آگئی تھیں پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ عیسیٰ بادشاہ ہو کر آئے گا مگر مسیح ایک غریب مسکین کی صورت میں پیدا ہوا پہلی کتابوں میں درج تھا کہ اس کے آنے سے یہودیوں کے ایام اقبال پھر عود کرینگے اور یہودی اس خیال میں لگے ہوئے تھے کہ وہ سلطنت رومیہ کے ساتھ لڑیگا اور اسرائیل کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا مگر معاملہ برعکس ہوا اور یہودی اور بھی مصیبت اور ذلت میں پڑے۔ ایسا ہی پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ وہ نہیں آئیگا جب تک ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں نہ آلیوے اس لئے یہودی منتظر تھے کہ ایلیا کب آسمان سے نازل ہوتا ہے لیکن **ایلیا نازل نہ ہوا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوے کر دیا کہ مسیح موعود میں ہی ہوں اور یہ بھی کہا کہ یحییٰ نبی ہی ایلیا ہے مگر یہ تاویل یہودیوں کی نظر میں پسندیدہ نہ تھی بلکہ وہ اسی طرح حضرت ایلیا کے نزول کے منتظر تھے

جیسا کہ آجکل حضرت عیسیٰ کے نزول کے مسلمان منتظر ہیں لیکن باوجود ان سب ردکوں کی جو در حقیقت سخت ردکیں تہیں خدا تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کو ضایع نہ کیا اور بہت سے نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وہ خدا ہی کیطرف سے ہے جس سے بالضرورت نتیجہ نکالنا پڑا کہ مسیح موعود یہی ہے جو آخر سچا مانا گیا۔

سو عزیز و یقیناً سمجھو کہ صادق کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون میں ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ آسمانی نشانوں سے ایسا ثابت کر دیوے کہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔ اب سوچو کہ اس عاجز کیطرف سے مسیح موعود ہونے کا **دعویٰ** حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے پھر ذرا غور کرلو کہ یہ تمام بزرگوار نبی کیونکر دنیا میں تسلیم کئے گئے کیا بذریعہ آسمانی برکات اور تائیدات کے یا اور کوئی اور طریق تہا سو سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنت میں تغیر و تبدیل نہیں اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں ہے اور صرف افترا اور جعلسازی ہے **تو انجام** بہتر نہیں ہوگا اور خدا تعالیٰ ذلت کیساتھ ہلاک کرے گا اور پہر ابد الدہر تک لعن طعن کا نشانہ بنائی رہیگا کیونکہ اس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص کہے کہ میں منجانب اللہ بہیجا گیا ہوں اور دراصل نہیں بہیجا گیا اور کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مشرف ہوں اور اس کا کلام میرے دل پر اترتا ہے اور میری زبان پر جاری ہوتا ہے حالانکہ نہ کبہی اس سے خدا تعالیٰ کا **مکالمہ** واقع ہوا اور نہ کبہی خدا تعالیٰ کا کلام اس کے دل پر اُترا اور نہ کبہی اس کی زبان پر جاری ہوا۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین الذین یفترون علی اللہ وھم فی الدنیا والاخرۃ من المخذولین

لیکن اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کیطرف سے ہے اور اس نے مجہکو بہیجا ہے اور اسی کی طرف وہ کلام ہے جسکا مجہکو الہام ہوتا ہے تو میں ہرگز ضایع نہ کیا جاؤنگا اور میں ہلاک نہیں ہونگا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اُسے ہلاک کریگا۔ جو میرے مقابل پر اٹھیگا اور میرا سد راہ ہوگا۔ میں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اس کا ثبوت کیوں مجہہ سے مانگتے ہیں حالانکہ عند العقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر اس امت میں بہی جو مثیل امت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک بہی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دوری ہے اور یہی سنت اللہ اور قانون قدرت ثابت ہوا ہے کہ اس دنیا میں بعض

بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہین نیکون کے شبیہ بھی پیدا ہوتے رہتے ہین اور بدون کے بھی تمان مین
جانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیے اُس ثبوت کے ذیل مین تمام ثبوت آجاتے ہین دیکھو ہمارے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگون پر ظاہر کیا کہ مین مثیل موسیٰ ہون اور خدا تعالےٰ کا رسول ہون تو جنپر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہو گئی اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے
مین بھی شک نہ رہا اور جیسا وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے
پر لائے سو منجانب اللہ اور سچے ملہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتون کی جڑ ہے مثلاً نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے
اُس کے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہین مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونیسے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو
جاتے ہین۔ عزیزو یہ بات تو نہین کہ خدا تعالےٰ میرے لئے کوئی نرالا قانون بنانا چاہتا ہے خدا تعالیٰ کے قدیم
قانونکو دیکھو۔ اور اس کے مطابق سوال کرو۔

پھر ما سوا اس کے آجکی تاریخ تک جو گیارہ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق بائیس ستمبر ۱۸۹۳ء اور نیز
مطابق ہشتم اسوج سمت ۱۹۵۰۔ اور روز جمعہ ہے اس عاجز سے تین ہزار سے کچھہ زیادہ ایسے نشان ظاہر
ہو چکے ہین جنکے صدہا آدمی گواہ بلکہ بعض پیشگوئیون کے پورا ہونے کے تو ہزارہا ہندو اور عیسائی اور دوسرے
مخالف مذہب گواہ ہین اور اگر تحقیق کی رو سے دیکھو تو بعض نشان ایسے بھی ہین کہ جنہین لاکھہا دشمن دین
اسلام اپنی آنکھون سے مشاہدہ کر چکے ہین اور ابتک وہ لوگ زندہ موجود ہین جنہون نے بکثرت ایسے نشان
ملاحظہ کئے جو انسانی طاقتون سے بالاتر ہین اور ایسے بھی صدہا موجود ہین جنہون نے دعاؤن کی قبول ہونیکی پیش
از وقت خبر سُنی اور پھر اس امر کو جیسا کہ بیان کیا گیا تھا ظاہر ہوتے بھی دیکھہ لیا اور ایسے بھی سولہ ہزار کے قریب
لوگ ہندوستان اور انگلستان اور جرمن اور فرانس اور روس اور روم مین پنڈتون اور یہودیون کے
فقیہون اور مجوسیون کے پیشرؤون اور عیسائیون کے پادریون اور قسیسون اور راہبون مین سے موجود ہین جنکو
رجسٹری کرا کر اس مضمون کے خط بھیجے گئے کہ درحقیقت دنیا مین دین اسلام ہی سچا ہے اور دوسرے تمام دین
اصلیت اور حقانیت سے دور جا پڑے ہین کسیکو مخالفون مین سے اگر شک ہو تو ہمارے مقابل پر آوے
اور ایکسال تک رہکر دین اسلام کے نشان ہم سے ملاحظہ کرے اور اگر ہم خطا پر نکلین تو ہم سے بحساب

دو سو روپیہ ماہواری ہرجانہ اپنے ایک برس کا لیوے ورنہ ہم اُس سے کچھ نہیں مانگتے صرف دین اسلام قبول اور اگر چاہے تو اپنی تسلی کیلئے وہ روپیہ کسی بنک میں جمع کرا لے لیکن کسی نے اس طرف رُخ نہ کیا۔ اب ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالےٰ کی نصرت پر ایسا کامل یقین نہ رکھتا کہ جو متواتر مشاہدات اور ذاتی تجارب کے بعد ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہوتا کہ اسلام کی تمام مخالفوں کے مقابل پر یعنے ان لوگوں کے مقابل پر جو رُوئے زمین پر نامی مخالف مذہب اور اپنی قوموں کے مقتدا سے بنے اکیلا کھڑا ہو جاتا ظاہر ہے کہ ضعیف البنیان انسان اپنے نفس میں ہرگز ایسی طاقت نہیں رکھتا کہ سارے جہان کا مقابلہ کر سکے پھر بجز اپنے کامل یقین اور ذاتی تجارب کے اور کیا چیز تھی جس نے اس پیش قدمی کے لئے اس عاجز کو **جرأت بخشی** اور نہ صرف زبانی بلکہ دو ہزار روپیہ کے قریب ان اشتہارات کی طبع میں جو انگریزی اور اردو میں چھاپے گئے تھے اور ایسا ہی اُن کی روانگی میں جو ہندوستان اور یورپ کے ملکوں کیطرف رجسٹری کرا کر خط بھیجے جاتے تھے خرچ ہوا۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ مقابل پر آوے اور دشمنوں کے دلوں پر ہیبت پڑنا یہ بھی ایک نشان تھا امتحان کے بطور اس زمانہ کے کسی پادری صاحب وغیرہ کو پوچھ کر دیکھو کہ کیا دعوت اسلام کے لئے رجسٹری شدہ خط اُن کے پاس نہیں پہنچا۔ پھر سوچ لو کہ جو شخص کئی ہزار روپیہ صرف اشتہارات کے طبع اور اُن کے مصارف روانگی میں خرچ کرے اور دشمن کے لئے ایک رقم کثیر بطور انعام بصورت فتح دشمن مقرر کرے کیا عند العقل ایسے شخص کا صرف جھوٹ اور کذب اور افترا پر مدار ہو سکتا ہے کیا آجتک دنیا میں کوئی ایسا مفتری کتابوں میں پڑھا گیا یا سنا گیا یا دیکھا گیا بھلا کوئی نظیر تو دو۔ عزیزو یقیناً سمجھو کہ جب تک خدا کسی کے ساتھ نہ ہو یہ استقامت اور یہ شجاعت اور یہ بذل مال ہرگز وقوع میں آ ہی نہیں سکتے کبھی کسی نے اس زمانہ کے کسی مولوی کو دیکھا یا سنا کہ اس نے دعوت اسلام کیلئے کسی اسسٹنٹ کمشنر انگریز کیطرف بھی کوئی خط بھیجا لیکن اس جگہ نہ صرف اس قدر بلکہ پارلیمنٹ لنڈن اور شاہزادہ ولی عہد ملکہ معظمہ اور شہزادہ بسمارک کی خدمت میں بھی دعوت اسلام کے اشتہار اور خطوط بھیجے گئے جن کی رسیدیں اب تک موجود ہیں۔ ان اشتہارات میں جن کی شایع کرنے پر قریباً عرصہ دس برس کا گذر چکا ہے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ عاجز حضرت مسیح ابن مریم سے ان کی کمالات میں مشابہ ہے اور سچی جستجو والے کے لئے یہ

ایک اور دلیل اس عاجز کی سچائی پر ہے کیونکہ اگر مثل مسیح ہونے کا دعوے صرف انسان کا منصوبہ ہوتا اور
خدا تعالے کیطرف سے الہام نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مسیح موعود کے دعوے کرنیسے دس برس بلکہ بارہ برس
پہلے اس دعوی کے موید متواتر الہامات اپنی طرف سے شایع کئے جاتے کیونکہ ہریک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عادتاً
انسان مین اتنی پیش بندیون کی طاقت نہین کہ جو کام یا دعوے اسکی بارہ برس کے بعد ظہور مین آیا ہے پہلے
ہی سے اس کی بنیاد قایم کیجائے اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالے ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت
بھی دیدی جسسے آجتک بارہ برس گذر چکے ہون اور مفتری ایسا اپنے افترا مین بیباک ہو جسنے پہلے سے ارادہ
کیا ہو جو بارہ برس کے بعد ایسا دعوی کرونگا اور اس دعوے کی بنیاد بارہ برس پہلے ہی یہ رکھی ہو کہ مین خود
مثیل مسیح ہون اور نہ صرف یون ہی بلکہ الہام کے حوالہ سے اپنے تئین مثیل مسیح قرار دیا ہو اور کمالات مین
اس کے مشابہ اپنے تئین ٹھہرایا ہو اور اس کے جوہر ذاتی کا ایک ٹکڑا اپنے تئین سمجھا ہو اور پھر اسی پر بس نہین
کی بلکہ علانیہ اور واشگاف طور پر بارہ برس پہلے اپنے دعوے مسیح ہونے سے اپنی کتاب مین دیکھنے
براہین احمدیہ مین) یہ شایع کیا ہو کہ خدا تعالے نے میرا نام عیسٰی رکھدیا ہے اور مجھکو وعدہ دیا ہے
کہ مین تجھے تیری طبعی موت سے مارونگا اور پھر اپنی طرف تجھے اٹھالونگا اور منکرون کی تمام الزامون سے تجھے بری
کرونگا اور تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے دشمنون پر غالب رکھونگا اور خدا تعالے اُس کو نہ
صرف مہلت بلکہ الہامی نشانون سے اس کی مدد بھی کرے اور اس کے لئے ایک جماعت طیار کردے
حالانکہ وہ خود قرآن کریم مین فرماتا ہے کہ مین **مفتری کو مدد نہین دیتا** اور وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے
اور اس کی جماعت متفرق کیجاتی ہے بلکہ سید الرسل اس نے کہا کہ اگر تو ایک ذرہ افترا کرتا تو تیری
شاہ رگ کاٹ دیجاتی۔ پس اگر یہ بات صحیح نہین ہے کہ خدا تعالے مفتری کو جو جھوٹا مرسل بنکر خلق
اللہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بہت جلد پکڑ لیتا ہے تو اس صورت مین نعوذ باللہ آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ استدلال صحیح نہین ہو سکتا کہ اگر آنحضرت نعوذ باللہ مفتری ہوتے
تو خدا تعالے اُن کو پکڑتا پھر باوجود اس لمبی مہلت اور خدا تعالی کی صدہا تائیدون اور صدہا نشانو
مخالفون نے بھی اس عاجز پر نزول عذاب کیلئے ہزارہا دعائین کین اور لینے مباہلہ مین بھی بہ تو دکر

اس عاجز پر عذاب نازل ہونا چاہا مگر بجز رسوائی اور ذلّت کے اُن کو کچھ بھی نصیب نہ ہوا اور اللہ جلّشانہٗ
جانتا ہے کہ ہم نے کسی مباہلہ میں کسی دشمن پر عذاب نازل ہونا نہیں چاہا اور نہ عبدالحق غزنوی کیلئے جس نے
بمقام امرتسر مباہلہ کیا تھا۔ اس کی موت کیلئے بد دعا کی مگر اس نے بہت کچھ جزع فزع کیا اور ہمارا
مدعا مباہلہ سے یہی تھا اور اب تک یہی ہے کہ آسمانی نشانیاں اس عاجز کی تائید میں عام طور پر ظاہر ہوں
اور مخالف مباہل کی ذلّت اور رسوائی کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خدا تعالےٰ ہر ایک مقام میں ہماری فتح
ظاہر کرے غرض یہ تمام صداقت کے نشان ہیں مگر اس کیلئے جو غور کرے افسوس کہ مجھ سے بار بار پوچھا
جاتا ہے کہ تمہارے دعوٰی مسیح موعود ہونے پر دلیل کیا مگر ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسٰی کے موعود
ہونے پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین موعود ہونے پر کیا دلیل تھی کیا یہی نہ تھی کہ
بہت سے نشانوں سے خدا تعالےٰ نے اُن کا صادق ہونا ثابت کر دیا اور حضرت مسیح کو گو یہودیوں نے قبول
نہ کیا اور آج تک یہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہ تھا مگر اُن کے معجزات اور نشانوں سے اُن کا منجانب اللہ
ہونا ثابت ہو گیا ٭ ضروری مطالبہ تو صادق اور منجانب اللہ ہونے پر ہوتا ہے اور تثلیث کا ثبوت

٭ حاشیہ۔ ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اس عاجز کو دیکر ایک رسالہ بھی شائع
کیا ہے وہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ حضرت
مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں مگر واضح ہو کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے ہمیں حضرت
مسیح علیہ السلام کی صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں بیشک اُن سے بعض معجزات ظہور میں آئے ہیں
اور گو انجیل کو دیکھنے سے اُن کے معجزات پر بہت کچھ دھبہ لگتا ہے جیسا کہ تالاب کے قصہ اور خود اُن کے بار بار کے
انکار سے کہ میں صاحب معجزات نہیں مگر ہمیں انجیل سے کیا کام قرآن کریم سے بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ بعض نشان
انکو دیئے گئے تھے ہاں ہماری کم توجہ علماء کی یہ غلطی ہے کہ اُن کی نسبت وہ گمان کرتے ہیں کہ گویا وہ
بھی خالق العالمین کی طرح کسی جانور کا قالب تیار کر کے پھر اُس میں پھونک مارتے تھے اور وہ زندہ
ہو کر اڑ جاتا اور مردہ پر ہاتھ رکھتے تھے اور وہ زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگتا تھا اور غیب دانی کی بھی اُن میں طاقت

تو اسی کے ذیل میں آجاتا ہے باوجود اس کے تمام لوازم موجودہ بلند آواز سے یہی پکار رہی ہیں کہ اس صدی کا مجدد مسیح موعود ہو کیونکہ خدا تعالےٰ کی پاک کلام نے جو مسیح موعود کے زمانہ کے نشان ٹھہرائے تھے وہ سب اس زمانہ میں پورے ہو گئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عیسائی سلطنت تمام دنیا کی ریاستوں کو نگلتی جاتی ہے اور ہر ایک نوع کی بلندی انکو حاصل ہے اور من کل حدب ینسلون کا مصداق ہیں اور اسلام کی دینی و دنیوی حالت ایسی ہی ابتر ہو گئی ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کیوقت میں یہودیوں کیحالت ابتر تھی اور جیسا کہ مسیح ایسے وقت میں آیا کہ اس وقت دین کیلئے تلوار اٹھانا بالکل نامناسب تھا وجہ یہ کہ یہودی

بقیہ حاشیہ

تھی اور اب تک مرے ہی نہیں مع جسم آسمان پر موجود ہیں اور اگر یہ باتیں جوان کیطرف نسبت دیگئی ہیں صحیح ہوں تو پھر اُن کے خالق العالم اور عالم الغیب اور محی اموات ہونے میں کیا شک ہے پس اگر اس صورت میں کوئی عیسائی انکی الوہیت پر استدلال کرے اس بنا پر کہ لوازم شئی کا پایا جانا وجود شئے کو مستلزم ہے تو ہمارے بھائی مسلمانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے اگر کہیں کہ ماسوا ایسے معجزات ظہور میں آتے تھے تو یہ کلام الٰہی پر زیادت ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً ہو بہو کے مانند وہ چیز جو ہیئت طیر کیطرح بنائی جاتی تھی اڑنے لگتی تھی۔ دُعا کا تو قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں اور نہ یہ ذکر ہے کہ اس ہیئت طیر میں درحقیقت جان پڑ جاتی تھی۔ یہ تو نہیں چاہیے کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی پر کچھ زیادہ کریں یہی تو تحریف ہے جس کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہوئی۔ پھر جس حالت میں جان پڑنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ معالم التنزیل اور بہت سی اور تفسیروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہیئت طیر تھوڑی دیر اڑ کر پھر مٹی کیطرح زمین پر گر پڑتی تھی تو بجز اسکے اور کیا سمجھا جائے کہ وہ دراصل مٹی کی مٹی ہی تھی۔ اور جس طرح مٹی کی کھلونے انسانی کلوں سے چلتے پھرتے ہیں وہ ایک نبی کی روح کی سرایت سے پرواز کرتے تھے ورنہ حقیقی خالقیت کے مانند سے عظم الشان فساد اور شرک لازم آتا ہے غرض تو معجزہ یہ ہے اور بے جان کا وجود بے جان ہونے کے پرواز یہ بڑا معجزہ ہے ہاں اگر قرآن کریم کی کسی قرأت میں اس موقعہ پر فیکون حیا کا لفظ موجود ہے یا تاریخی طور پر ثابت ہے کہ درحقیقت وہ زندہ ہو جاتے تھے اور انڈے بھی دیتے تھے اور اب تک انکی نسل بھی بہت سی پرندوں

اپنی بدچلنی سے اپنے ملک کو کہو بیٹھے تھے اور رومی سلطنت کا ملک گیری مین کچھ قصور نہ تھا تا اُن پر
تلوار اٹھائی جاتی یہی حال آخر کار ہوا کہ مسلمانون کے بادشاہون نے آپ بے اعتدالیان کر کے اور نالایق
عیاشیون مین مبتلا ہو کر اپنا ملک کہویا بلکہ ان مین ملکداری کی لیاقت ہی باقی نہ رہی سو خدا تعالے نے
انگریزون کو ملک دیا اور انہون نے ملک لیکر کچھ ظلم نہ کیا کسیکا نماز روزہ بند نہ کر دیا کسیکو حج جانے سے
منع نہ کیا بلکہ عام آزادی اور امن قایم کیا پھر انپر باوجود محسن ہونے کے کیونکر خدای کریم و رحیم تلوار
اٹھانے کا فتوے دیتا کیا اس کے پاس دین پھیلانیکا ذریعہ صرف ظاہری تلوار تھی روحانی تلوار نہ
تھی پھر اسطرح پر یہ کہ اسوقت تلوار کا ایمان کچھ معتبر نہین انگریزون نے تلوار سے کسیکو اپنے مذہب مین داخل
نہین کیا تا تلوار کا جواب تلوار ہوتا بلکہ لوگ نئے فلسفہ اور نئے طبعی اور پادریون کے وساوس سے ہلاک ہوئے
سو اس کا جواب اسلام کی حقانیت کا ثبوت دینا ہے نہ یہ کہ لوگون پر تلوار چلانا۔ لہذا خدا تعالے نے مسلمانون
کی حالت کے ہم رنگ پاکر اُن کے لئے حضرت مسیح کی مانند بغیر سیف و سنان کے مصلح بھیجا اور مصلح کو دجالیت
کے دور کرنے کے لئے حرف آسمانی تلوار دیا اور جیسا کہ عیسیٰ عند منارۃ دمشق کے لفظون سے جو وہ ہو کا
عدد مفہوم ہوتا ہے وہ مسیح موعود چودھوین صدی کے سر پر آیا اور جیسا کہ آخرین منھم لما یلحقوا بھم
کے عدد سے ۱۲۷۵ نکلتے ہین اسی زمانہ مین وہ اصلاح خلق کیلئے طیار کیا گیا اور جیسا کہ قرآن کریم نے
بشارت دی کہ اصول حقہ نصاریٰ کے وقت مین نفخ صور ہوگا ایسا ہی اُس کا ظہور ہوا اور کئی بندگان

موجود ہیں تو پھر اس کا ثبوت دینا چاہیے اللہ تعالے تو قرآن مین فرماتا ہے کہ اگر تمام دنیا چاہے کہ ایک
مکھی بنا سکے تو نہین بنا سکتی کیونکر اس سے تشابہ فی الخلق لازم آتا ہے اور یہ کہنا کہ خدا تعالے نے آپ
اس کو خالق ہونے کا اذن دے رکھا تھا یہ خدا تعالے پر افترا ہے کلام الہی مین تناقض نہیں خدا تعالی
کسی کو ایسے اذن نہین دیا کرتا۔ اللہ تعالے نے سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکھی بنانے کا
بھی اذن نہ دیا۔ پھر مریم کے بیٹے کو یہ اذن کیونکر حاصل ہوا۔ خدا تعالے سے ڈرو اور مجاز کو حقیقت
پر حمل نہ کرو۔ منہ

خدا نے الہام پاکر اس کے ظہور سے پہلے اُس کے آنیکی خبر دی بلکہ بعض نے تیس برس پہلے اسکا ظہور اور اسکا نام بتلایا اور یہ کہا کہ مسیح موعود یہی ہے اور اصل عیسیٰ فوت ہو چکا ہے اور بہت سے صاحب مکاشفات نے چودھویں صدی مسیح موعود کے آنے کا زمانہ قرار دیا اور اپنے الہامات لکھ گئے۔ اب اس کے بعد ایسے امور میں جن میں ایمان بالغیب کی بھی کچھ گنجائش رکھنی چاہیے اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

پھر ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کیطرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبد اللہ آتھم صاحب امرتسری کی نسبت پیشگوئی جسکی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جسکی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے داماد کی موت کی نسبت پیشگوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جس کی میعاد آجکی تاریخ سے جو اکیس ستمبر ۱۸۹۳ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہگئی ہے۔ یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کیلئے کافی ہیں کیونکہ احیا اور اماتت دونوں خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالےٰ اس کی خاطر سے کسی اُس کے دشمن کو اُس کی دعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصاً ایسے موقعہ پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اُس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہرا دے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جلشانہ کے اختیار میں ہیں سو اگر کوئی طالب حق ہے تو ان پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں سے اور ان میں سے وہ پیشگوئی جو مسلمانوں کی قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں۔ (۱) کہ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔ (۲) اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔ (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔ (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے تک اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔ (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک

فوت نہ ہو دے) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے - اور ظاہر ہے کہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں -

اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کیلئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مجھکو اطلاع دیں کہ میری تسلی ان امور سے نہیں ہوئی اور میں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاء اللہ القدیر اُن کے بارہ میں توجہ کروں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کرے گا کیونکہ میں اُس کی طرف سے ہوں اور اُس کے دین کی تجدید کیلئے اُس کے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہیے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں کہ جس طور سے میں اُنکے حق میں الہام پاؤں اس کو شایع کرا دوں اور مجھے تعجب ہے کہ جس حالت میں مسلمانوں کو کسی مجدد کے ظاہر ہونیکے وقت خوش ہونا چاہیے یہ پیچ و تاب کیوں ہے اور کیوں انکو بڑا لگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی حجت پوری کرنے کے لئے ایک شخص کو مامور کر دیا ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ حال کے اکثر مسلمانوں کی ایمانی حالت نہایت ردی ہو گئی ہے اور فلسفہ کی موجودہ زہر نے اُن کے اعتقاد کی بیخکنی کر دی ہے اُنکی زبانوں پر بیشک اسلام ہے لیکن دل اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں خدائی کام اور الٰہی قدرتیں اُنکی نظر میں ہنسی کے لائق ہیں ایسا ہی میاں عطا محمد کا حال ہے مجھے یاد ہے کہ جب بمقام امرتسر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کو اُنکی موت کی نسبت پیشگوئی سنائی گئی تو میاں عطا محمد نے میرے فرودگاہ میں آکر میرے روبرو ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر نے میری موت کی خبر دی تھی کہ اتنی مدت میں عطا محمد فوت ہو جائے گا مگر وہ مدت خیر سے گذر گئی اور میں اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر انکو سلام کیا اس نے کہا کہ تم کون ہو میں نے کہا وہی عطا محمد جسکو مرنے کی آپنے پیشگوئی کی تھی مطلب یہ کہ یہ تمام امور جھوٹھ اور لغو ہیں - مگر میاں عطا محمد کو یاد رہے کہ ڈاکٹر کی مثال اس جگہ دینا صرف اس قدر ثابت کرتا ہے کہ آسمانی روشنی سے آپ بکلی بیخبر ہیں بیشک ایک مستی

موجود ہے جسکا نام خدا ہے اور وہ اپنے سچے مذہب کی تائید مین صرف کسی زمانہ محدود تک بلکہ ہمیشہ ضرورت کیوقت مین آسمانی نشان دکھلاتا ہے اور دنیا کا ایمان نئے سر سے قایم کرتا ہے ڈاکٹر کی مثال سے ظاہر ہے کہ آپ کا اُس خدا پر ایمان کسقدر رہا ہے اب مین مناسب دیکھتا ہون کہ اِس رسالہ کو اسی جگہ ختم کر دون ؛؛

فالحمد للّٰہ اوّلاً و اٰخراً و ظاہراً و باطناً ھو مولٰنا نعم المولٰی و نعم النصیر ؂

المؤلف

عاجز غلام احمد قادیانی

۲۲ ستمبر ۱۸۹۳؁ء مقام قادیان روز جمعہ ؂

گورنمنٹ کی توجہ کے لایق

یہ عاجز صاف اور مختصر لفظون مین گذارش کرتا ہی کہ بباعث اس کے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار میرزا غلام مرتضی مرحوم کے وقت سے آجتک اس خاندان کے شامل حال ہین اس لئے نہ کسی تکلف سے بلکہ میرے رگ و ریشہ مین شکرگذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے میرے والد مرحوم کی سوانح مین سے وہ خدمات کسی طرح الگ ہو نہین سکتین جو وہ خلوص دل سے اس گورنمنٹ کی خیرخواہی مین بجالائے انہون نے اپنی حیثیت اور مقدرت کیموافق ہمیشہ گورنمنٹ کی خدمتگذاری مین اس کی مختلف حالتون اور ضرورتون کیوقت وہ صدق اور وفاداری دکہلائی کہ جبتک انسان سچے دل اور تہ دل سے کسیکا خیرخواہ نہ ہو ہرگز دکہلا نہین سکتا سن ستاون کے مفسدہ مین جبکہ بے تمیز لوگون نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کرکے ملک مین شور ڈالدیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کرکے اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت مین پیش کئے اور پھر ایک دفعہ چودہ سوار سے خدمتگذاری کی اور انہین مخلصانہ خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ مین ہر دل عزیز ہوگئے چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار مین عزت کے ساتھ انکو کرسی ملتی تہی اور ہر ایک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزت اور دلجوئی سے پیش آتے تہے انہون نے میرے بہائی کو صرف گورنمنٹ کی خدمتگذاری کے لئے بعض لڑائیون پر بہیجا اور ہر ایک باب مین گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کی اور اپنی تمام عمر نیک نامی کیساتھ بسر کرکے اس ناپائدار دنیا سے گذر گئے بعد اس کے اس عاجز کا بڑا بہائی میرزا غلام قادر

جسقدر مدت تک زندہ رہا اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم مارا اور گورنمنٹ کی مخلصانہ
خدمت میں بدل و جان حاضر رہا پھر وہ بھی اس مسافر خانہ سے گذر گیا۔ مین امید رکھتا ہون کہ اب
بھی بہت حکام انگریز بقید حیات ہونگے جنہون نے میرے والد صاحب کو دیکھا اور اُنکی مخلصانہ
خدمات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہی چنانچہ منجملہ انکے مسٹر گریفن ہین جنہونے رئیسان پنجاب کے بارہ مین ایک کتاب
بھی لکھی ہی اور اس مین میرے والد صاحب کا بھی خیر اور خوبی سے ذکر کیا ہی۔

اب میری حالت یہ ہی کہ بعد وفات پا جانے ان عزیزون اور بزرگون کے خدا تعالے نے
میرے دل کو دنیا سے پھیر دیا اور مین نے چاہا کہ خدا تعالے سے میرا معاملہ کامل طور کی سچائی اور
صدق اور محبت سے ہو سو اس نے میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دیا مگر نہ میری کوشش سے بلکہ اپنے
فضل سے تب مین نے چاہا کہ جہانتک میرے لئے ممکن ہی معرفت اور محبت الٰہی مین ترقی کرون اور صحیح
طور پر معلوم کرون کہ خدا کون ہی اور اس کی رضا کن باتون مین ہے سو مین نے ہر یک تعصب سے
دل کو پاک کیا اور ہر یک آلودگی سے آنکھون کو صاف کر کے دیکھا اور خدا تعالے سے مدد چاہی
تب میرے پر کھل گیا اور خدا تعالے نے اپنے پاک الہام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہی
جو اپنی تمام صفات مین کامل ہی اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طور پر چلا آتا ہے نہ اس
مین حدوث ہی نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہی اور کوئی پیدا ہونیوالا اور مرنیوالا اُس سے عبودیت کے کوئی ایسا تعلق
اُس سے نہین رکھتا جسکو کہا جائے کہ وہ اس کی خدائی کا حصہ دار ہی بلکہ ایسا خیال کرنا اس ذات سے
انکار سے بھی بدتر اور انسان کی تمام بدکاریون سے بڑھکر ایک سخت درجہ کا بُرا خیال ہی۔ یہ سچ اور
بالکل سچ ہی کہ خدا تعالے کے مقبول بندون مین سے سب سے زیادہ مرتبہ پر وہ لوگ ہین جنکا نام نبی یا
رسول ہی بیشک وہ خدا تعالے کے پیارے ہین مقبول ہین نہایت درجے عزت دار ہین اُس
مین کھوئے گئے اور اُسی کا روپ بنگئے اور خدا تعالی کا جلال اُن مین سے ظاہر ہوا اور خدا اُن
مین اور وہ خدا مین مگر تاہم اُن مین سے ہم حقیقتاً نہ کسیکو خدا کہہ سکتے ہین اور نہ خدا کا بیٹا بلاشبہ اس
اختلاف مین مسلمان حق پر ہین اور عیسائی غلطی پر مگر یہہ غلطی اس زمانہ مین عیسائیون مین

قائم رہنے والی نظر نہیں آتی۔ انگریز ایک ایسی قوم ہے جنکو خدا تعالےٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کیطرف کھینچنا چاہتا ہے اور جو سچائی اور راستبازی اور انصاف مین روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں اور علوم جدیدہ اور قدیمہ کا تو گویا ایک چشمہ ہیں اسلئے امید قوی ہے کہ خدا تعالےٰ یہ دولت بھی انہیں دیگا بلکہ میری دانست مین تو دلون کو اندر ہی اندر دیدی ہے بہرحال جبکہ ہمارے نظام بدنی اور امور دینوی مین خدا تعالےٰ نے اس قوم مین سے ہمارے لئے گورنمنٹ قائم کی اور ہمنے اس گورنمنٹ کے وہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں ہے اسلئے ہم اپنی معزز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہین کہ ہم اس گورنمنٹ کے اسیطرح مخلص اور خیر خواہ ہین جسطرح کہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ مین بجز دعا کے اور کیا ہے سو ہم دعا کرتے ہین کہ خدا تعالےٰ اس گورنمنٹ کو ہر یک شر سے محفوظ رکھے اور اسکے دشمن کو ذلت کیساتھ پسپا کرے۔ خدا تعالےٰ نے ہمپر محسن گورنمنٹ کا شکر ایسا ہی فرض کیا ہے جیسا کہ اُس کا شکر کرنا۔ سو اگر ہم گورنمنٹ کا شکر ادا نہ کرین یا کوئی شر اپنے ارادہ مین رکھین تو ہم نے خدا تعالےٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا کیونکہ خدا تعالےٰ کا شکر اور کسی محسن گورنمنٹ کا شکر جسکو خدا تعالیٰ اپنے بندون کو بطور نعمت کے عطا کرے درحقیقت یہ دونون ایک ہی چیز ہین اور ایک دوسری سے وابستہ ہین اور ایک کے چھوڑنے سے دوسری کا چھوڑنا لازم آجاتا ہے بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہین۔

کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہین۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال اُن کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جسکے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اُس سے جہاد کیسا۔ مین سچ سچ کہتا ہون کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار

آدمی کا کام ہے - سو میرا مذہب جسکو مین بار بار ظاہر کرتا ہون یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہین ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرین دوسری اس سلطنت کی جسنے امن قایم کیا ہو جسنے ظالمون کے ہاتھ سے اپنے سایہ مین ہمین پناہ دی ہو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہم یورپ کے قومون کے ساتھ اختلاف مذہب رکھتے ہین اور ہم ہرگز خدا تعالیٰ کی نسبت وہ باتین پسند نہین رکھتے جو انہون نے پسند کی ہین لیکن ان مذہبی امور کو رعیت اور گورنمنٹ کے رشتہ سے کچھہ علاقہ نہین خدا تعالےٰ ہمین صاف تعلیم دیتا ہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کرو اُس کے شکر گذار اور فرمانبردار بنے رہو سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کرین تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہین اس صورت مین ہم سے زیادہ بددیانت کون ہوگا کیونکہ خدا تعالےٰ کی قانون اور شریعت کو ہمنے چھوڑ دیا اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ مسلمانون مین بہت سے ایسے لوگ ہین جنکا مذہبی تعصب انکی عدل اور انصاف پر غالب آگیا ہے یہانتک کہ وہ اپنی جہالت سے ایک ایسے خونخوار **مہدی** کے انتظار مین ہین کہ گویا وہ زمین کو مخالفون کے خون سے سرخ کردے گا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی انکا خیال ہے کہ حضرت **عیسےٰ** علیہ السلام بھی آسمان سے اسی غرض سے اترینگے کہ جو مہدی کے ہاتھ یہود و نصاریٰ زندہ رہگئے ہین اُنکے خون سے بھی زمین پر ایک دریا بہا دین لیکن یہ خیالات بعض مسلمانون مثلاً شیخ **محمد حسین** بٹالوی اور اس کی جماعت کے سراسر غلط اور کتاب اللہ کے مخالف ہین یہ نادان خون پسند ہین اور محبت اور خیرخواہی خلق اللہ کی سر مو ان مین نہین لیکن ہمارا سچا اور صحیح مذہب جسپر ہمین یہ لوگ کافر ٹہراتے ہین یہ ہے کہ مہدی کے نام پر آنیوالا کوئی نہین ہان مسیح موعود آگیا مگر کوئی تلوار نہین چلیگی اور امن سے اور سچائی سے اور محبت سے زمانہ توحید کی طرف ایک پلٹا کہائے گا اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ زمین پر نہ رام چندر پوجا جاویگا نہ کرشن اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام اور سچے پرستار اپنے حقیقی خدا کیطرف رُخ کرلینگے اور یاد رہے کہ جس

بادشاہ کی زیر سایہ ہم بامن زندگی بسر کرین اسکے حقوق کونگاہ رکھنا فی الواقعہ خدا کے حقوق ادا کرنا ہے اور جب ہم ایسی بادشاہ کی دلی صدق سے اطاعت کرتے ہین تو گویا اُسوقت عبادت کر رہے ہین کیا اسلام کی یہ تعلیم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے محسن سے بدی کرین اور جو ہمین ٹھنڈی سایہ مین جگہ دے اُسپر آگ برساوین اور جو ہمین روٹی دے اُسے پتھر مارین ایسے انسان سے اور کون زیادہ بدذات ہوگا کہ جو احسان کرنے والے کے ساتھ بدی کا خیال بھی دل مین لاوے۔

اس تمام تمہید سے مدعا یہ ہے کہ گورنمنٹ کو یاد رہے کہ ہم تہ دل سے اُسکے شکر گذار ہین اور بہ تن اُس کی خیر خواہی مین مصروف ہین اور ہمنے سنا ہے کہ ایک شخص ساکن بٹالہ ضلع گورداسپور نے جو اپنے تئین مولوی ابو سعید محمد حسین کر کے مشہور کرتا ہے اس اختلاف رائے کے سبب سے جو بعض جزی مسایل مین وہ اس عاجز کے ساتھ رکھتا ہے میری نسبت اپنی سخت دشمنی کی وجہ سے اور سراسر بے انصافی اور درندگی کے جوش سے خلاف واقعہ باتین گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے لکھتا ہے اور میرے خاندان کی مخلصانہ اور خیر خواہی کے تعلق کو جو گورنمنٹ سے ہے غلط بیان کرتا اور چھپاتا ہے اور اپنے نفس الوق کے نیچے دبانا چاہتا ہے اور محض عداوت اور حسد ذاتی کی تحریک سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ یہ عاجز گورنمنٹ کا سچا خیر خواہ نہین ہے یہ نادان ذرہ خیال نہین کرتا کہ جھوٹے منصوبون اور بے بنیاد افتراؤن مین ہرگز وہ قوت پیدا نہین ہوتی کہ جو سچ مین قدرتی طور پر پائی جاتی ہے سچ کی طاقت کا ایک کرشمہ جھوٹھ کے پہاڑ کو ذرہ ذرہ کر کے دکھا دیتا ہے اور نیز جو جھوٹھ مین ہٹ دھرمی اور بے ایمانی کی عفونت ہوتی ہے وہ حکام کی خداداد قوت شامہ سے چھپ بھی نہین سکتی۔ اور اگرچہ یہ تمام افترا اس کا اس قسم کے تھے کہ ازالہ حیثیت عرفی کی وجہ سے عدالت کے ذریعہ سے اس کی ان تمام چالاکیون کا تدارک کرایا جاے لیکن بالفعل یہی مناسب سمجھا گیا کہ معزز گورنمنٹ کو اس شخص کے ان افتراؤن سے اطلاع دیجاے اور امید ہے کہ دانا گورنمنٹ ادنی توجہ سے اس کے ان بہتانات کو بخوبی سمجھ جائے گی اور ورق کرے گی اور جانچ لیگی اور ایسے مفسد کا تدارک نہایت ضروری ہے تا آیندہ کوئی خبیث نفس ایسی

حرکات ناشائستہ کیطرف جرأت نہ کرے۔ ہماری دانا اور عادل گورنمنٹ اس بات سے بیخبر نہیں ہے کہ ہر ایک مخبر کا یہ فرض ہونا چاہیے۔ کہ جس معاملہ مین وہ قطعی طور پر گورنمنٹ کو اطلاع دیوے اور اپنی طرف سے قطعی رائے ظاہر کرے تو اس سے پہلے وہ اس معاملہ کو کماحقہ تحقیق بھی لیوے اب عادل گورنمنٹ اگر چاہے تو ایک خیر خواہ خاندان کے لئے جسکو اُس نے اپنی خوشنودی کے اعلیٰ درجہ کی اسناد دے رکھی ہے یہ تکلیف اٹھا سکتی ہے کہ اس دروغ گو مخبر کو جو بذریعہ اپنے رسالہ اشاعت کے خلاف واقعہ خبرین اس عاجز کی نسبت گورنمنٹ کو پہنچاتا ہے طلب کر کے اس بات کا ۔۔۔ **ثبوت مانگے** کہ اس نے کن دلایل اور وجوہ سے اس عاجز کو گورنمنٹ انگریزی کا ۔۔۔ **مفسد قرار دیا ہے** اور اگر وہ دلایل شافیہ بیان نہ کر سکے تو پھر جسقدر مناسب ہو قانونی سزا کا اُس کو کچھ مزہ چکھا دیوے کہ یہ ایک عین مصلحت اور ایک سچے خیر خواہ خاندان کی اس مین دلجوئی مقصود ہے اگرچہ ایسے **جوش** بعض مخالفین مذہب کی تحریرات مین بھی پائے جاتے ہین جیسے پادری عماد الدین وغیرہ وغیرہ مگر وہ بباعث ناواقفیت اور جوش مذہب اور لاعلاج تعصب کے کسیقدر معذور بھی ہین اور حق بات کو مونہہ سے نہین نکال سکتے مگر یہ **شیخ بٹالوی** درحقیقت حد سے گذر گیا ہے عادل گورنمنٹ اس شخص کی تحریرات سنہ ۹۲ و ۱۸۹۳ کے ساتھ ان تحریرات کو بھی دیکھے جو سنہ ۱۸۸۴ء مین اس شخص کے **اشاعۃ السنۃ** مین اس عاجز کی نسبت موجود ہین تا معلوم ہو کہ یہ شخص منافق اور حق پوش اور دورنگی اختیار کرنیوالا ہے اگرچہ ہم جانتے ہین کہ زیرک اور دانا اور عادل اور وسیع واقفیت والی گورنمنٹ کے آگے ایسی مکاریان چل نہین سکتین اور پیش اندیش گورنمنٹ دور سے ہوا کا رخ **دیکھ لیتی ہے** اور متعصبانہ مخبریون کو حقیر اور شرمناک حسد یقین کر جاتی ہے لیکن تاہم گورنمنٹ پر کوئی وحی تو نازل نہین ہوتی اور ممکن ہے کہ **چند شریرون** کے یک زبان ہونے سے ایسا دھوکہ لگے جو ان کو لگ سکتا ہے اسلیئے ہماری طرف سے کسیقدر عرض حال ضروری ہے ؛

اب ہم گورنمنٹ کے ملاحظہ کیلئے ۱۸۸۴ء کے اشاعۃ السنہ یعنی نمبر ۶ جلد ۷ سے جو براہین احمدیہ پر ریویو ہے کسیقدر عبارت اس شخص کو رسالہ مذکورہ کی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے نقل کرتے ہیں تا وہ گورنمنٹ خود ملاحظہ فرما لیوے کہ اس شخص نے اس عاجز کی نسبت پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھتا ہے

اور وہ عبارت یہ ہے۔

پولٹیکل نکتہ چینی کا جواب

مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جبکہ ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب اس زمانہ سے آجتک ہم میں ان میں خط وکتابت ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم انکے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دئے جانیکے لائق ہے۔

گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا خیال کبھی مولف کے آس پاس بھی نہیں بھٹکا وہ کیا ان کے خاندان میں اس خیال کا کوئی آدمی نہیں ہے بلکہ ان کے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ نے توعین زمانہ طوفان بے تمیزی (غدر ۱۸۵۷ء) میں گورنمنٹ کا خیر خواہ جان نثار وفادار ہونا عملاً بھی ثابت کردکھایا ہے اس غدر میں جب کہ ترموں کے گھاٹ پر متصل گورداسپور مفسدین بدطینت نے یورش کی تھی انکے والد ماجد نے باوجودیکہ وہ بہت بڑے جاگیر دار سردار نہ تھے اپنی جیب خاص سے پچاس گھوڑے معہ سواران و ساز و سامان طیار

کرکے زیر کمان اپنے فرزند دلبند مرزا غلام قادر مرحوم کے گورنمنٹ کی معاونت مین دی جسپر گورنمنٹ
کیطرف سے انکی اس خدمت پر شکریہ ادا ہوا اور کسیقدر انعام بہی ملا۔ علاوہ بران ان خدمات کے
لحاظ سے مرزا صاحب مرحوم (والد مؤلف) ہمیشہ مورد کرم ولطف گورنمنٹ رہے اور دربار گورنری
مین عزت کیساتھہ ان کو کرسی ملتی رہی اور حکام اعلی ضلع وقسمت (یعنی صاحبان ڈپٹی کمشنر
وکمشنر) چٹھیات خوشنودی مزاج (جنمین سے کئی چٹھیات اسوقت ہمارے سامنے رکھی ہوئی
ہین) وقتاً فوقتاً انکو عطا کرتے رہے ہین ان چٹھیات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بڑے دلی جوش سے
لکہی گئی ہین جو بغیر ایک خاص خیر خواہ اور سچے وفادار کے کسی دوسرے کیلئے تحریر نہین ہوسکتین۔
اکثر صاحبان ڈپٹی کمشنر وکمشنر ایام دورہ مین ازراہ خوش خلقی ومحبت ودلجوئی مرزا صاحب
کے مکان پر جاکر ملاقات کرتے رہے اور انکی وفات پر صاحبان کمشنر وفنانشل کمشنر اور
صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر نے اپنے خطوط مین بہت سا افسوس ظاہر کیا ہے اور آئندہ کیلئے
قدر دانی اور اس خاندان کے لحاظ اور رعایت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی شرف خاندان اور
خیر خواہ قدیم ہونیکے لحاظ سے صاحب فنانشل بہادر نے اندنون مین مرزا سلطان احمد (فرزند
مؤلف) کے لئے تحصیلداری کی خاص سفارش کی ہے جسکی رپورٹ متعمیل حکم ضلع سے روانہ ہوچکی
ہے۔ غرض یہ خاندان قدیم سے خیر خواہ اور زیر نظر عنایت گورنمنٹ چلا آتا ہے **ان حالات**
وواقعات کی تصدیق کیلئے منجملہ ان چٹھیات کے جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہین ہم تین چٹھیات
حاشیہ مین نقل کرتے ہین تاکہ حاسدنا عاقبت اندیش اس خاندان کی گورنمنٹ انگریزی مین قدر ومنزلت
سے آگاہ ہوکر اپنے ارادہ بد ونیت فاسد سے باز آوین اور عام مسلمان انکی دہوکہ مین آکر اس کتاب
اور اسکے مؤلف سے بدگمان اور متوحش نہ ہون۔

ہرچند خاکسار مؤلف کتاب (میرزا غلام احمد صاحب) سے اُن کے عالمانہ اور زاہدانہ وضع وحالت کے سبب کوئی ایسی کارروائی نہین ہوئی مگر جس قدر خیر خواہی گورنمنٹ منصب علماء اور درویشون کے مناسب ہے اور اُن کی قدرت مین داخل ہے اس سے انہون نے بہی دریغ نہین کیا۔

عالموں کی تلوار قلم ہے اور فقیروں کا ہتھیار دعا مؤلف صاحب نے ان ہتھیاروں کے ساتھ گورنمنٹ
کی خیر خواہی و معاونت سے دریغ نہیں فرمایا - اپنی قلم سے بارہا لکھ چکے اور اپنی اسی کتاب میں جسکی اشاعت

Translation of Certificate J Nicholson

To

Mirza Ghulam Murtaza Khan chief of Qadian

I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights. I am well aware that since the introduction of the British Govt. you and your family have certainly remained devoted, faithful and steady subject & that your rights are really worthy of regard in every respect. You may rest assured satisfied that the British Govt. will never *

* forget your family's rights and services which will receive due consideration when a favorable opportunity offers itself. You must continue to be faithful & devoted subject in which lies the satisfaction of Govt. & your welfare. 11-6-1849.

نقل مراسلہ

(جے نکلسن صاحب)

نمبر ۳۵۳

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس
قادیان حفظہ، عریضہ شما مشعر بر یاد دہانی خدمات و حقوق
خود و خاندان خود بملاحظہ حضور اینجانب در آمد ما خوب
میدانیم کہ بلاشک شما و خاندان شما از ابتدائے دخل و حکومت سرکار
انگریزی جان نثار و وفا کیش ثابت قدم ماندہ اید و حقوق
شما در اصل قابل قدر اند بہر نہج تسلی و تشفی دارید کہ سرکار
انگریزی حقوق و خدمات خاندان شما ہرگز فراموش
نخواہد کرد بموقع مناسب بر حقوق و خدمات شما غور و
توجہ کردہ خواہد شد باید کہ ہمیشہ ہوا خواہ و جان نثار سرکار
انگریزی بمانند کہ دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی شما
متصور است -

المرقوم ۱۱ جون ۱۸۴۹ء

لاہور - انارکلی

ان کا شعار روز ہی فرض ہے وہ صاف درج کتب ہیں کہ وہ گورنمنٹ انگلشیہ خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے خداوند

نقل مراسلہ

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشند۔

از آنجا کہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیرخواہی و مدد دہی سرکار دولتمدار انگلشیہ در باب نگاہداشت سواران و بہمرسانی اسپان بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا۔ لہذا بجلدوی اس خیرخواہی و خیرسگالی کے خلعت مبلغ دو صد روپیہ کا سرکار سے آپ کو عطا ہوتا ہے اور حسب منشاء چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶ مورخہ ۱۰۔ اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیکنامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے۔

مرقومہ تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

Translation of Mr Robert Casts Certificate.

To

Mirza Gulam Murtaza Khan chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting Sowars and supplying horses to Govt. in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date and there by gained the favor of Govt., a Khilat worth Rs 200/ is presented to you in recognition of good services and as a reward for your loyalty.

Moreover in accordance with the wishes of chief Commissioner as conveyed in his no: 576 4 10th August 58 this parwana is addressed to you as a token of satisfaction

[illegible] fidelity and [illegible]

رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے ایک باران رحمت بھیجا ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد
قطعی حرام ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہکر اسکا احسان

Translation of Sir Robert Egenton Financial Commr. Mursala dy 29th june 1876

My dear friend Gulam Qadir.

I have perused your letter of the 2nd instant & deeply regret the death of your father Mirza Gulam Murtaza who was a great well wisher and faithful chief of Govt.

In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration & wel fare of your family when a favourable opportunity

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہٗ

آپکا خط ۲ - ماہ حال کا لکہا ہوا ملاحظہ حضور اینجانب مین گذرا مرزا غلام مرتضی صاحب آپکے والد کی وفات سے ہمکو بہت افسوس ہوا مرزا غلام مرتضی سرکار انگریزی کا اچہا خیرخواہ اور وفادار رئیس تھا ہم آپکی خاندانی لحاظ سے اسیطرح پر عزت کرینگے جسطرح تمہارے باپ وفادار کی کیجاتی تہی ہمکو کسی اچہے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائی کا خیال رہیگا۔

المرقوم ۲۹ - جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر فنانشل

کمشنر پنجاب

اٹھا دی - اس کی ظل حمایت مین با امن و آسایش رہکر اپنا مقسوم کہا دی اس کی انعامات متواتر
سی پرورش پا دی پہر اُسی پر عقرب کیطرح نیش چلا دی - اور دعا سی انہون نی اس گورنمنٹ کو بہت

*(۱) **اصل کلام** مولف یہہ ہے جو اس کتاب کے حصہ سیوم و چہارم سی بہ تلخیص کیا جاتا ہی حصہ
سیوم کی ابتدائی اوراق مین آپ فرماتے ہین مسلمانون جن امور کا اصلاح حال کیلئے اپنی ہمت
اور کوشش سی انجام دینا لازم ہی - وہ انہین فکر اور غور کے وقت آپ ہی معلوم ہو جاینگے حاجت
بیان و تشریح نہین مگر اس جگہ ان امرون مین سی یہ امر قابل تذکرہ ہی جسپر گورنمنٹ انگلشیہ
کی عنایات اور توجہات موقوف ہین کہ گورنمنٹ ممدوحہ کو دلپر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیے
کہ مسلمانان ہند ایک وفادار رعیت ہے کیونکہ بعض ناواقف انگریزون نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر
صاحب نے جو کمیشن تعلیم کے اب پریزیڈنٹ ہین اپنی ایک مشہور تصنیف مین اس دعوے پر بہت
اصرار کیا ہے کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیر خواہ نہین ہین اور انگریزون سے جہاد کرنا
فرض سمجھتے ہین گویہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنے کے بعد ہر یک شخص پر
محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا لیکن افسوس کہ بعض کوہستانی اور بے تمیز
سفہا کی بادی حرکتین اس خیال کی تائید کرتی ہین اور بسا اوقات انہی اتفاقی شہادات سے ڈاکٹر صاحب
موصوف کا وہم بہی مستحکم ہو گیا ہی کیونکہ کبھی کبھی ان کی جاہل لوگون کیطرف سی اس قسم کی حرکات صادر ہوتی
رہتی ہین لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہین رہسکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدین سی دور و مہجور ہین
اور ایسے ہی مسلمان ہین جیسے کہ بکلین عیسائی تہا ایسے ظاہر ہی کہ ان کی یہ ذاتی حرکات ہین - یہ
شرعی پابندی سی اور ان کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانون کو دیکھنا چاہیے جو ہمیشہ خیر خواہی دولت
انگلشیہ کرتے رہے ہین اور کرتے ہین سنہ ۱۸۵۷ء مین جو کچھ فساد ہوا اس مین بجز جہلا اور بدچلن
لوگون کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو باعلم اور باتمیز تہا ہرگز مفسدہ مین داخل
نہین ہوا - بلکہ پنجاب مین بہی غریب غریب مسلمانون نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سی زیادہ

دفعہ یاد کیا ہی انکی آخری دعا اُن کی اشتہار مطبوعہ ریاض ہند پریس امرت سر مین جسکی بیس ہزار کاپی چہپوا کر ہند اور انگلنڈ مین انہون نی شایع کرنی چاہی ہی یہ کلمات دعائیہ مرقوم ہین۔ انگریز

بقیہ حاشیہ

مددی چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بہی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش خیر خواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کرکے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بہم پہنچا کر سرکار مین بطور مدد کے نذر کئے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھکر خیر خواہی دکھلائی اور جو مسلمان صاحب دولت و ملک تھے انہون نے تو بڑی بڑی خدمات نمایان ادا کین۔ اب ہم پہر اس تقریر کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ گو مسلمانون کیطرف سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے بڑے نمونے ظاہر ہو چکے ہین مگر ڈاکٹر صاحب نے مسلمانون کی بدنصیبی کیوجہ سے اُن تمام وفادارون کو نظر انداز کر دیا اور نتیجہ نکالنے کیوقت ان مخلصانہ خدمات کو نہ اپنے قیاس کے صغری مین جگہ دی اور نہ کبری مین بہرحال ہمارے بہائی مسلمانون پر لازم ہے کہ گورنمنٹ پر اُن کے دہوکون سے متاثر ہونیسے پہلے بحد طور پر اپنی خیر خواہی ظاہر کرین جس حالت مین شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہی جسپر تمام مسلمانون کا اتفاق ہی کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جسکی زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت و در آزادی سے زندگی بسر کرتے ہون اور جسکے عطیات سے ممنون منّت اور مرہون احسان ہون اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت مین نیکی اور ہدایت پہیلانے کیلئے کامل مددگار ہو قطعی حرام ہے تو پہر بڑے افسوس کی بات ہی کہ علمائے اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچہی طرح شایع نہ کرکے ناواقف لوگون کی زبان اور قلم سے مورد اعتراض ہوتے ہین جن اعتراضون سے اُنکے دین کی سُستی پائی جائے اور انکی دنیا کو ناحق ضرر پہنچے سو اس عاجز کی دانست مین قرین مصلحت یہ ہی کہ انجمن اسلامیہ لاہور و کلکتہ و بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کرین کہ چند نامی مولوی صاحبان جنکی فضیلت اور علم اور زہد اور تقوے اکثر لوگون کی نظر مین مسلّم الثبوت ہو اس امر کیلئے چن لئے جاوین کہ اطراف اکناف کی اہل

جنکی شائستہ اور مہذب اور بارحم گورنمنٹ نے ہمکو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اس بات کیلئے دلی جوش بخشتا ہے کہ ہم اُن کے دین و دنیا کیلئے دلی جوش سے بہبودی اور سلامتی

بقیہ حاشیہ

علم کو جو اپنے مسکن کی گرد نواح مین کسیقدر شہرت رکھتے ہون اپنی اپنی عالمانہ تحریرین جنمین بمطابق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے جو مسلمانان ہند کی مربی و محسن ہے جہاد کرنیکی صاف ممانعت ہو ان علمار کی خدمت مین بہ ثبت مواہیر بہیجدین کہ جو بموجب قرار داد بالا اس خدمت کے لیے منتخب کئے گئے ہین اور جب سب خطوط جمع ہو جاوین تو یہ مجموعہ خطوط جو مکتوبات علمار ہند سے موسوم ہو سکتا ہے کسی خوشخط مطبع مین بصحت تمام چہاپا جاوے اور پہر دس بیس نسخے اس کی گورنمنٹ مین اور باقی نسخجات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاصکر سرحدی ملکون مین تقسیم کئے جاوین۔ یہ سچ ہے کہ بعض غمخوار مسلمانون نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا رد لکہا ہے مگر یہ دو چار مسلمانون کا رد جمہوری رد کا ہرگز قایم مقام نہین ہو سکتا بلاشبہ جمہوری رد کا ایسا اثر قوی اور پرزور ہوگا جس مین ڈاکٹر صاحب کی تمام غلط تحریرین خاک سے ملجائینگی اور بعض ناواقف مسلمان بہی اپنے سچے اور پاک اصول سے بخوبی مطلع ہو جاینگے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بہی صاف باطنی مسلمانون کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کماحقہ کہل جاوے گی اور بعض کوہستانی جہلا کے خیالات کی اصلاح بہی بذریعہ اسی کتاب کی وعظ و نصیحت کی ہوتی رہیگی۔ بالآخر یہ بات بہی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجہتے ہین کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر ان احسانات کے کہ جو سلطنت انگلشیہ سے اس حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامہ خلایق پر وارد ہین سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالے کی ایک نعمت سمجہین اور مثل اور نعماء الہی کے اُسکا شکر بہی ادا کرین لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گذار ہونگے اگر وہ اس سلطنت کو جو اُنکے حق مین خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے نعمت عظمیٰ یقین نکرین انکو سوچنا چاہیے کہ اس سلطنت سے پہلے وہ کس حالت پر ملالت مین تہے اور پہر کیسے امن و امان مین آگئے

چاہین تا ان کے گہرے سپید موہنہ جس طرح دنیا مین خوبصورت ہین آخرت مین بہی نورانی و منور ہون فنسئل اللہ تعالے لہم خیرہم فی الدنیا والاخرہ ۔ اللہم اہدہم

فصل ششم

پس فی الحقیقت یہ سلطنت انکے لئے ایک آسمانی برکت کا حکم رکہتی ہی جسکے آنے سے سب تکلیفین اُن کی دور ہوئین اور ہر ایک قسم کے ظلم و تعدی سے نجات حاصل ہوئی اور ہر یک ناجائز روک اور مزاحمت سے آزادی میسر آئی کوئی ایسا مانع نہین کہ جو ہمکو نیک کام کرنیسے روک سکے یا ہماری آسایش مین خلل ڈالے پس حقیقت مین خداوند کریم و رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانون کے لئے ایک باران رحمت بہیجا ہی جسکے سببسے یہ پودہ اسلام کا پہر اس ملک پنجاب مین سرسبز ہوتا جاتا ہی اور جسکے فوائد کا اقرار حقیقت مین خدا کے احسانون کا اقرار ہی یہی سلطنت ہی جسکی آزادی ایسی بدیہی اور مسلم الثبوت ہی کہ بعض دوسرے ملکون سے مظلوم مسلمان ہجرت کرکے اس ملک مین آنا بدل و جان پسند کرتے ہین جس صفائی سے اس سلطنت کی ظل حمایت مسلمانون کی اصلاح کیلئے اور اُن کی بدعات مخلوطہ دور کرنے کے لئے وعظ ہو سکتا ہی اور جن تقریبات سے علماء اسلام کو ترویج دین کیلئے اس گورنمنٹ مین جوش پیدا ہوتے ہین اور فکر اور نظر سے اعلی درجہ کا کام پڑتا ہی اور عمیق تحقیقاتون سے تائید دین متین مین تالیفات ہوکر حجت اسلام مخالفین پر پوری کیجاتی ہی وہ میری دانست مین آجکل کسی اور ملک مین ممکن نہین یہی سلطنت ہی جسکی حمایت سے علماء کو مدتون کے بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقعہ ملا کہ بیدہڑک بدعات کی الودگیون سے اور شرک کی خرابیون سے اور مخلوق پرستی کے فسادون سے نادان لوگون کو مطلع کرین اور انحضرت رسول مقبول کا صراط مستقیم کہولکر بتلادین کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جسکے زیرسایہ تمام مسلمان امن اور ازادی سے بسر کرتے ہیں اور فرائض دین کو کماحقہ بجا لاتے ہین اور ترویج دین مین سب ملکون سے زیادہ مشغول ہین جائز ہو سکتی ہی حاشا وکلا ہرگز جائز نہین اور نہ کوئی نیک اور دیندار آدمی ایسا بدخیال دلمین لا سکتا ہی ہم سچ سچ کہتے ہین کہ دنیا مین آج یہی ایک سلطنت ہی جسکے سایہ عاطفت مین بعض بعض اسلامی مقاصد

وایدھم بروح منک واجعل لھم خطاً کثیراً فی دینک - الخ

پھر ایسے شخص پر بہتان کہ اُسکو دلین گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت ہی اور اس کی کتاب کی

اسے حاصل ہوتے ہین کہ جو دوسرے ممالک مین ہرگز ممکن الحصول نہین شیعون کے ملک مین جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظون سے افروختہ ہوتے ہین اور سنت جماعت کے ملکون مین شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہین - ایسا ہی مقلدین موحدین کے شہرون مین اور موحدین مقلدین کی بلاد مین دم نہین مار سکتے - اور کوئی کسی بدعت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لین مونہہ سے بات نکالنے کا موقع نہین رکھتے آخر یہی سلطنت ہی جسکی پناہ مین ہر یک فرقہ امن اور آرام سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہی اور یہ بات اہل حق کیلئے نہایت ہی مفید ہی کیونکہ جس ملک مین بات کرنیکی گنجایش ہی نہین نصیحت دینے کا حوصلہ ہی نہیں اُس ملک مین کیونکر راستی پھیل سکتی ہی راستی پھیلانے کے لئے وہی ملک مناسب ہے جس مین آزادی ہی اہل حق وعظ کرسکتے ہین یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دینی جہادون سے اصلی غرض آزادی قایم کرنا اور ظلم کا دور کرنا تھا اور دینی جہاد انہین ملکون کے مقابل پر ہوتے تھے جنمین واعظین کو اپنے وعظ کے وقت جان کا اندیشہ تھا اور جنمین امن کیساتھ وعظ ہونا قطعی محال تھا اور کوئی شخص طریقہ حقہ کو اختیار کرکے اپنی قوم کے ظلم سے محفوظ نہین رہ سکتا تھا لیکن سلطنت انگریزی کی آزادی نہ صرف ان خرابیون سے خالی ہی بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجہ غایت ناصر اور موید ہی مسلمانون پر لازم ہی کہ اس خداداد نعمت کی قدر کرین اور اسکے ذریعہ سے اپنی دینی ترقیات مین قدم بڑھاوین -

اور حصہ چہارم کے ابتدائی اوراق مین آپ فرماتے ہین تھوڑا عرصہ گذرا ہی کہ بعض صاحبون نے مسلمانون مین سے اس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سیوم کے ساتھہ گورنمنٹ انگریزی کی شکر کے بارے مین شامل ہی اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریون پر کیون ترجیح دی لیکن ظاہر ہی کہ جس سلطنت کو اپنی شایستگی اور حسن انتظام کے رو سے ترجیح ہو اسکو کیونکر چھپا سکتے ہین خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت

کی نسبت یہ گمان کہ وہ گورنمنٹ کی مخالف ہے پرلے سرے کی بے ایمانی اور شرارت شیطانی نہیں تو کیا ہے۔ خیر خواہان سلطنت و پیروان مذہب اسلام ان یاوہ گو حاسدون کی ایسی باتین ہرگز نہ سنیین اور اس کتاب یا مولف صاحب کی طرف سے سو ظنی کو اپنے دلون مین جگہ نہ دین گورنمنٹ سے تو ہم پہلے ہی مطمئن ہین کہ وہ ان باتونکو مولف کی نسبت ہرگز نہ سنیگی۔ بلکہ جو ان باتون کو گورنمنٹ تک پہنچاویگا اُسکو اُس کی دروغگوئی پر سرزنش کریگی۔

کی خوبی ہی ہے کہ وہ کسی گورنمنٹ مین پائی جاوے الحکمۃ ضالۃ المومنین الخ اور یہی سمجھ نا چاہیے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہین ہے کہ مسلمانون کی قوم جس سلطنت کی ماتحت رہکر احسان اٹھاوے اُس کے ظل حمایت مین بامن و آسایش رہکر اپنا رزق مقسوم کھاوے اُسکے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اُسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اُس کے سلوک اور مروت کا ایک ذرہ شکر نہ بجالاوے بلکہ ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعہ سے ہمین یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کیساتھ کرین اور منعم کا شکر بجالاوین اور جب کبھی ہمکو موقعہ ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدلی صدق کمال ہمدردی سے پیش آوین اور بطیب خاطر معروف اور واجب طور پر اطاعت اُٹھاوین۔ سو اس عاجز نے جسقدر حصہ سوم کے پرچہ مشمولہ مین انگریزی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہین کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی اُن بزرگ تاکیدون نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہین مجھکو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ سو ہمارے بعض ناسمجھ بھائیون کی یہ افراط ہے جسکو وہ اپنی کوتاہ اندیشی اور بخل فطرتی سے اسلام کا جز سمجھ بیٹھے ہین۔

اے جفا کیش نہ عذر است طریق عشاق
ہرزہ بدنام کنی چند نکونامے را

(براہین احمدیہ)

التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء

ہم افسوس سے لکھتے ہین کہ چند ایسے وجوہ ہم کو پیش آئے جنہون نے ہماری رائے کو اس طرف مائل کیا کہ اب کی دفعہ اس جلسہ کو ملتوی رکھا جائے اور چونکہ بعض لوگ تعجب کرینگے کہ اس التوا کا موجب کیا ہے لہذا بطور اختصار کسیقدر ان وجوہ مین سے لکھا جاتا ہے۔

اول یہ کہ اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسیطرح بار بار کی ملاقاتون سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کرلین کہ اُن کے دل آخرت کیطرف بکلی جھک جائین اور اُنکے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقوے اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات مین دوسرونکے لئے ایک نمونہ بنجائین اور انکسار اور تواضع اور راستبازی اُنمین پیدا ہو اور دینی مہمات کیلئے سرگرمی اختیار کرین لیکن اس پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہین دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنون مین ہی بعض کی شکایت سنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیون کی بدخوئی سے شاکی ہین اور بعض اس مجمع کثیر مین اپنے اپنے آرام کیلئے دوسرے لوگون سے کج خلقی ظاہر کرتے ہین گویا وہ مجمع ہی اُنکے لئے موجب ابتلا ہوگیا اور پھر مین دیکھتا ہون کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر ابتک اس جماعت کے بعض لوگون مین ظاہر نہین ہوا اور اس تجربہ کیلئے یہ تقریب پیش آئی کہ ان دنون سے آجتک ایک جماعت کثیر مہمانون کی اس عاجز کے پاس بطور تبادل رہتی ہے یعنی بعض آتے اور بعض جاتے ہین اور بعض وقت یہ جماعت سو سو مہمان تک بھی پہونچ گئی ہے اور بعض وقت اس سے کم لیکن اس اجتماع مین بعض دفعہ بباعث تنگی مکانات اور قلت وسائل مہمانداری ایسی نالائق رنجشین اور خود غرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانون مین باہم ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل مین بیٹھنے والی تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہین اور اگر کوئی بیچارہ عین ریل چلنے کے قریب اپنی گٹھری کی سمیت مارے اندیشہ کے دوڑتا دوڑتا ان کے پاس پہنچ جاوے تو اسکو دھکے دیتے اور دروازہ

بند کرلیتے ہین کہ ہم مین جگہ نہین حالانکہ گنجایش نکل سکتی ہی مگر سخت دلی ظاہر کرتے ہین اور وہ شکستہ لمبی اور بیچہ
اٹھائے ادھر ادھر پھرتا ہی اور کوئی اُسپر رحم نہین کرتا مگر آخر ریل کی ملازم جبراً اُنکو جگہ دلاتے ہین ۔ سو ایسا ہی یہ
اجتماع بھی بعض اخلاقی حالتونکی بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہی اور جبتک بہت ساری کی پوری وسایل میسّر
ہون اور جبتک خدا تعالی ہماری جماعت مین اپنے خاص فضل سی کچھہ زیادہ رفق اور نرمی اور ہمدردی اور خدمت اور
جفاکشی کا پیدا نہ کرے تب تک یہ جلسہ قرین مصلحت معلوم نہین ہوتا حالانکہ دل تو یہی چاہتا ہی کہ مبایعین
محض للہ سفر کرکے آوین اور میری صحبت مین رہین اور کچھہ تبدیلی پیدا کرکے جاوین کیونکہ موت کا اعتبار نہین میرے
دیکھنے مین مبایعین کو فائدہ ہی مگر مجھے حقیقی طور پر وہی دیکھتا ہی جو صبر کیساتھہ دین کو تلاش کرتا ہی اور فقط دین کو
چاہتا ہی ۔ سو ایسے پاک نیت لوگون کا آنا ہمیشہ بہتر ہی کسی جلسہ پر موقوف نہین بلکہ دوسرے وقتون مین وہ فرصت
اور فراغت سے باتین کرسکتے ہین اور یہ جلسہ ایسا تو نہین ہی کہ دنیا کے میلونکی طرح خواہ نخواہ التزام اسکا لازم
ہی بلکہ اسکا انعقاد صحت نیت اور حسن ثمرات پر موقوف ہی ورنہ بغیر اسکے ہیچ اور جبتک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت
نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ یہ ہی اور لوگون کے چال چلن اور اخلاق پر اسکا یہ اثر ہی تبتک ایسا جلسہ صرف فضول
ہی نہین بلکہ اس علم کے بعد کہ اس اجتماع سے نتایج نیک پیدا نہین ہوتی ایک معصیت اور طریق ضلالت اور
بدعت شنیعہ ہی مین ہرگز نہین چاہتا کہ حال کے بعض پیرزادونکی طرح صرف ظاہری شوکت دکھانیکے لیے اپنے
مبایعین کو اکٹھا کرون بلکہ وہ علت غائی جسکے لئے مین حیلہ نکالتا ہون اصلاح خلق ہی پھر اگر کوئی امر یا انتظام
موجب اصلاح نہ ہو بلکہ موجب فساد ہو تو مخلوق مین سے میرے جیسا اُسکا کوئی دشمن نہین اور اخی مکرم حضرت
مولوی **نور دین** صاحب سلمہ تعالی بارہا مجھہ سے یہ تذکرہ کرچکے ہین کہ ہماری جماعت کی اکثر لوگون نے ابتک کوئی
خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للّٰہی محبت باہم پیدا نہین کی سو مین دیکھتا ہون کہ مولوی
صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہی مجھے معلوم ہوا ہی کہ بعض حضرات جماعت مین داخل ہوکر اور اس عاجز سے
بیعت کرکے اور عہد توبہ نصوح کرکے پھر بھی ویسے کج دل ہین کہ اپنی جماعت کی غریبون کو بھیڑیون کی طرح دیکھتے
ہین وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہین کرسکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آوین اور انہین
سفلہ اور خود غرض اسقدر دیکھتا ہون کہ وہ ادنی ادنی خود غرضی کی بنا پر لڑتے اور ایکدوسرے سے دست بدامن ہوتے ہین

ا کارہ باتون کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیون تک نوبت پہنچتی ہے اور دلون مین کینہ
کر لیتے ہین اور کھانے پینے کی قسمون پر نفسانی بحثین ہوتی ہین اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت
مین بہت بلکہ دو سو سے زیادہ ہی ہین جنپر خدا تعالی کا فضل ہے جو نصیحتون کو سنکر روتے اور عاقبت کو
م رکھتے ہین اور انکے دلون پر نصیحتون کا عجیب اثر ہوتا ہے لیکن مین اس وقت کجدل لوگون کا ذکر کرتا ہون
مین حیران ہوتا ہون کہ خدایا یہ کیا حال ہے کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے نفسانی لالچون پر کیون انکے
گرے جاتے ہین اور کیون ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہے مین سچ سچ
ا ہون کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہین ہو سکتا جبتک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع
دم نہ ٹھہراوے اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور مین باوجود
صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہون تا وہ اسپر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے
مین نہ اٹھون اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اسکو نہ دون اور اپنے لئے فرش زمین پسند نکرون
یرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مین اسکے مقابل پر امن سے سو رہون اور
لئے جہانتک میرے بس مین ہے آرام رسانی کی تدبیر نکرون اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے
سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مین بھی دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤن
مجھے چاہیے کہ مین اس کی باتون پر صبر کرون اور اپنی نمازون مین اسکے لئے رو رو کر دعا کرون کیونکہ وہ میرا
ئی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے
ین چاہیے کہ مین اس سے ٹھٹھا کرون یا چین بر جبین ہو کر تیزی دکھاؤن یا بدنیتی سے اسکی عیب گیری
ن کہ یہ سب ہلاکت کی راہین ہین کوئی سچا مومن نہین ہو سکتا جبتک اس کا دل نرم نہ ہو جبتک وہ
پنے تئین ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختین دور نہ ہو جائین خادم القوم ہونا مخدوم بننے
نشانی ہے اور غریبون سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبول الہی ہونیکی علامت ہے اور بدی کا نیکی
ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہین اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی
ی ہے مگر مین دیکھتا ہون کہ یہ باتین ہماری جماعت کی بعض لوگون مین نہین بلکہ بعض مین ایسی

بے تہذیبی ہے کہ اگر ایک بھائی ضد سے اس کی چارپائی پر بیٹھا ہے تو وہ سختی سے اسکو اٹھانا چاہتا ہے اور اگر نہیں اٹھتا تو چارپائی کو الٹا دیتا ہے اور اسکو نیچے گراتا ہے پھر دوسرا بھی فرق نہیں کرتا اور وہ اسکو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے یہ حالات ہیں جو اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ تب دل کباب ہوتا اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو ان بنی آدم سے اچھا ہے پھر کس خوشی کی امید سے لوگوں کو جلسہ کیلئے اکٹھے کروں یہ دنیا کے تماشوں میں سے کوئی تماشا نہیں ابھی تک میں جانتا ہوں کہ میں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کی جو دو سو کیقدر زیادہ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے جنمیں سے اول درجہ پر میرے خالص دوست اور محب مولوی حکیم نورالدین صاحب اور چند اور دوست ہیں جنکو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کیلئے میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انکی آخرت پر نظر ہے سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں انکے ساتھ ہوں میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جنکے دل میرے ساتھ نہیں جو اسکو نہیں پہچانتے جسکو میں پہچانتا ہوں اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور پھر ہوں کیونکر خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جسکا بالضرور نتیجہ موت ہے درحقیقت وہ ایسے ہیں جنکو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔

یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ سے نہیں اور اپنے دعوی میں جھوٹا ہے اور جو میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے وہ خطا پر ہے کہ سمجھتا ہے۔ کہ میں اس کے ساتھ ہوں میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور انکو روحانیت کی طرح سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہے مگر انسان اس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جبکہ باطنی رویت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اسکو حصہ ملے اور پھر نیکی کیطرف جھک جائے سو تم اپنی آنکھوں کیلئے نہ صرف چارپاؤں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بت باہر پھینکو کہ دنیا دین کی مخالف ہے جلد مرو گے اور دیکھو گے نجات انہیں کو ہے جو کہ دنیا کے جذبات سے بیزار اور بری اور صاف دل تقوی میں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور

* یہ باتیں ہماری طرف سے اپنی عزیز جماعت کیلئے بطور نصیحت کے ہیں دوسرا کوئی مجاز نہیں کہ کسیکا نام لیکر اسکا تذکرہ کرے کہ جو بندہ بہت مجرم گناہ اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے گا۔

غیروں میں فرق ہی کیا ہے لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توبہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سے مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن
خدا اگر چاہے اور میں تو ایسے لوگوں سے اس دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے
ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اس کے جلال اور عزت سے نہیں کانپتے
اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف مونہہ سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا اگر ایک جھوٹا حرف زبان پر مدعی کا
نام لاوے تو کیا فائدہ ان طریقوں سے نہ وہ نجات پائیگا اور نہ وہ سیر ہوگا کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا۔ کیا اس علیم و حکیم
کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی۔

پس اے نادانو خوب سمجھو اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اعمالی اور اخلاقی کے کسی طرح رہائی
نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہکر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور
مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں
نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے
اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے
اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو
اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں
اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب
کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جنکے لئے نجات طیار کیگئی ہے جو شخص شرارت
اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں کبھی باہر
نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے لفظ عطا فرما اور ایسی
تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے انکی زہر کو دور کردیں میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ
کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا
کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائینگے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑینگے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک
بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے جبتک دل فروتنی کا

KBOPL
U297.86 Q13S
AC22450

Khuda Bakhsh Library
Acc. No ....22450....
8-11-82

سجدہ بھی صرف ظاہری سجدہ نہیں امید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقوی پہنچتی
ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو دل کا قیام یہ ہے کہ اسکے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اسکی
طرف جھکے اور سجود یہ کہ اسکے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دعا
کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤنگا اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالی میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا
کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے انکے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا
قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضایع نہیں کریگا ہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالی کے علم اور
ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جسکے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اسکو حاصل ہو تو اسکو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف
کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اسکی جگہ کوئی اور لا جسکا دل نرم اور جسکی جان میں تیری طلب ہے۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت
کرنیوالوں سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیسا کہ کوئی شیر سے اسلئے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا ہوکر میرے ساتھ پیوند کرے پس التوائے جلسہ
کا ایک سبب یہی ہے جو میں نے بیان کیا۔

دوسرے یہ کہ ابھی ہمارے رسائل نا تمام ہیں اور صادق جان نشان بہت کم اور بہت سے کام ہماری اشاعت کتب کے
متعلق ملتوی مخلصوں کی سستی کے سبب سے باقی پڑے ہیں پھر ایسی صورت میں جلسہ کا اتنا بڑا اہتمام جو صدہا آدمی خاص اسی کام کیلئے کئی دن اکر قیام پذیر
رہیں اور حال سابقہ کی طرح بعض دور دراز کے غریبوں کو اپنی طرف سے زاد راہ دیا جاوے اور کم از کم کئی سو صدہا آدمیوں کی مہمانداری کیجاوے
اور دوسرے لوازم چارپائی وغیرہ کا صدہا لوگوں کیلئے بندوبست کیا جاوے اور انکے فرودگاہ ہونیکے لئے کافی مکانات بنائے جاویں اتنی توفیق ابھی
ہم میں نہیں اور نہ ہمارے مخلص دوستوں میں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان تمام سامانوں کو درست کرنا ہزارہا روپیہ کا خرچ چاہتا ہے اور
اگر قرضہ وغیرہ سے اسکا انتظام بھی کیا جائے تو بڑے سخت گناہ کی بات ہے کہ جو ضروریات دین پیش آ رہی ہیں وہ تو نظر انداز ہیں اور ایسے
اخراجات جو کسی کو یاد بھی نہیں رہ سکتے اپنے ذمہ ڈال کر ایک رقم کثیر قرضہ کی خواہ نخواہ اپنے نفس پر ڈال لیجائے ابھی باوجود نہ ہونے کسی جلسہ کے مہمانداری
کا سلسلہ ایسا ترقی پر ہے کہ گذشتہ برس سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ کبھی تیس تیس چالیس چالیس اور کبھی سو تک مہمانوں کی موجودہ میزان کی ہر روز
نوبت پہنچ جاتی ہے جنمیں اکثر ایسے غربا فقرا اور دور دراز ملکوں کے ہوتے ہیں جو جاتے وقت انکو زاد راہ دیکر رخصت کرنا پڑتا ہے برابر یہ سلسلہ
لگا ہوا ہے اور اسکے اہتمام میں اکثر مولوی حکیم نور الدین صاحب برابر جانکاہی کوشش کر رہے ہیں اکثر دور کے مسافروں کو بھی زاد راہ دینا
ہے چنانچہ بعض کو قریب تیس تیس یا چالیس چالیس روپیہ کے دینے کا اتفاق ہوا ہے اور دو دو چار چار تو معمول ہے اور نہ صرف یہی اخراجات

والا ہے اور میں نہیں جانتا کہ خدا تعالی کا منشا میری اس تحریر کے موافق ہے یا اسکی تقدیر میں وہ امر ہے جو ابتک مجھکو معلوم نہیں وافوض امری الی اللہ
و اتوکل علیہ ھو مولٰنا نعم المولی و نعم النصیر۔ خاکسار غلام احمد از قادیان